قانونِ اسلامی ۔ اختصاصی مطالعہ ۳

اصولِ فقہ

قرآن

شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

قانونِ اسلامی ۔ اختصاصی مطالعہ

اصولِ فقہ......٣

مصادرِ اصلیہ - ١

قرآن

ڈاکٹر ساجدہ محمد حسین بٹ

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

قانون اسلامی۔ اختصاصی مطالعہ

اصول فقہ۔۔۔۔۳

مصادرِ اصلیہ۔۱

عنوان	:	قرآن
مؤلفہ	:	ڈاکٹر ساجدہ محمد حسین بٹ
نظر ثانی	:	پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی
ادارت	:	ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں
حتمی تصحیح	:	ڈاکٹر شہزاد اقبال شام
نگران منشورات	:	ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین
نگران مطالعہ اسلامی قانون کورس	:	ڈاکٹر شہزاد اقبال شام
ناشر	:	شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
مطبع	:	ادارہ تحقیقات اسلامی
سال طباعت	:	اول: ۲۰۰۲ء دوم: جون ۲۰۰۵ء سوم: اگست ۲۰۱۱ء
تعداد	:	۱۰۰۰ ۲۵۰۰ ۱۰۰۰

ISBN 969-8263-14-4

فہرست

ا۔	پیش لفظ	۵
ا۔	تعارف	۷
۲۔	مصادرِ احکام ۔ ابتدائی مباحث	۹
۳۔	قرآن مجید بحیثیت مصدر احکام	۱۱
۴۔	قرآن مجید کی تعریف	۱۱
۵۔	اسمائے قرآن مجید	۱۳
۶۔	حجیتِ قرآن مجید	۱۴
۷۔	میزات قرآن مجید	۱۷
۸۔	وجوہ اعجاز قرآن مجید	۱۸
۹۔	احکام قرآن مجید	۲۰
۱۰۔	عقیدہ سے متعلقہ احکام	۲۰
۱۱۔	اخلاقیات سے متعلقہ احکام	۲۰
۱۲۔	مکلفین کے اقوال وافعال سے متعلقہ عملی احکام	۲۰
۱۳۔	عبادات	۲۰
۱۴۔	معاملات	۲۱
۱۵۔	احکام قرآن کی نوعیت	۲۲
۱۶۔	اصولی احکام	۲۳
۱۷۔	اجمالی احکام	۲۶
۱۸۔	تفصیلی احکام	۲۷

۱۹۔	احکام قرآن کی دلالت	۳۰
۲۰۔	قطعی دلالت	۳۰
۲۱۔	ظنی دلالت	۳۱
۲۲۔	احکام قرآن کا اسلوب	۳۱
۲۳۔	امر و نہی کے صیغہ میں قرآن مجید کے بنیادی اصول	۳۳
۲۴۔	عدم حرج	۳۳
۲۵۔	تیسیر	۳۵
۲۶۔	تدریج	۳۷
۲۷۔	نسخ	۳۹
۲۸۔	شانِ نزول	۴۳
۲۹۔	عرب کی معاشرتی حالت	۴۴
۳۰۔	استنباط احکام	۴۸
۳۱۔	مطلق و مقید	۴۸
۳۲۔	مشترک	۴۹
۳۳۔	اوامر و نواہی	۴۹
۳۴۔	اہم نکات	۵۴
۳۵۔	کتب برائے مزید مطالعہ	۵۵
۳۶۔	مصادر و مراجع	۵۵

پیش لفظ

کسی ریاست کا رائج قانون اس میں بسنے والوں کے اساسی نظریات وعقائد کا عکاس ہوتا ہے ورنہ قانون اور قوم میں اجنبیت کے باعث نہ تو قانون اس قوم میں قبولیتِ عام کی سند حاصل کرتا ہے اور نہ قوم اس قانون کے احترام اور پاسداری میں گرمجوشی کا مظاہرہ کرتی ہے جس کا نتیجہ معاشرتی اشتات وانتشار اور بے چینی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اگر قانون اجنبی اور مسلط کردہ ہو تو اس پر عمل جبر کے تحت ہوتا ہے اور مجبور قومیں آزاد نہیں ہوتیں۔ اجنبی قانون تو وہ قومیں اپناتی ہیں جو خود کسی دستور اور نظم قانون سے تہی دامن ہوتی ہیں۔

مسلم امہ اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ دستور سازی اور قانون سازی پر اس کا علمی ورثہ بہت گراں قدر ہے۔ گزشتہ ۱۳ صدیوں سے مسلمان اہل علم کی تحریریں قانون اور اصول قانون پر دنیا بھر کی رہنمائی کر رہی ہیں۔ امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ)، امام محمد شیبانیؒ (م ۱۸۹ھ) اور امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کی کتابیں آج بھی روشنی کا منبع ہیں۔

امت مسلمہ کے قانونی اور دستوری نظام کے دو بنیادی عناصر ہیں جن کے بغیر اسلام کا قانونی نظام نہ تو اپنی صحیح شکل وصورت میں قائم رہتا ہے اور نہ ان سے فکری غذا حاصل کیے بغیر ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ پہلا بنیادی عنصر اسلامی عقائد ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان میں فکری استحکام پیدا ہوتا ہے۔ یہ فکری استحکام ایمان ویقین کی وجہ سے اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ صاحبِ ایمان کو ہر قسم کی فکری بے راہ روی سے محفوظ کر کے حق وصداقت کی جانب گامزن رکھتا ہے۔ دوسرا بنیادی عنصر اخلاق وتزکیہ ہے۔ مکارم اخلاق کی تعلیم اور تزکیہ نفس انسان کے کردار، مزاج اور روّیہ کی اصلاح کر کے اسے معاشرہ میں تہذیب وشائستگی کے اعلیٰ مقام پر فائز رکھتے ہیں۔

امت مسلمہ جب تک اپنے فقہی اور قانونی ورثہ سے وابستہ رہی اس وقت تک اس کی ترقی کی رفتار بھی تیز رہی اور عالمی قیادت میں بھی اس کا نمایاں کردار رہا اور دنیا بھر کے انسانوں کی رہنمائی کے لیے بہترین نمونہ بھی پیش کرتی رہی۔

لیکن جب مسلمانوں میں بنیادی عقائد کی تعلیم وتربیت کا نظام کمزور پڑ گیا اور اخلاقی اقدار میں ضعف پیدا ہوا تو اس کے اثرات مسلمانوں کی سیاسی، اجتماعی اور قانونی زندگی پر بھی مرتب ہوئے۔ پھر استعماری دور میں اسلامی روایات، نظام تعلیم، قانون اور تہذیب و تمدن کو مٹانے کے لیے منظم کوششیں کی گئیں جس کے نتیجے میں برصغیر میں ملک کے اسلامی عدالتی اور تعلیمی نظام کی جگہ استعمار کے اپنے نظام نے لے لی۔ اس صورت حال نے اس پورے خطہ کو بُری طرح متاثر کیا اور بتدریج ہر شعبہ زندگی میں شر وفساد سرایت کرتا چلا گیا جس کے تباہ کن اثرات سے آج ہم دوچار ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے برحق فرمایا تھا:

نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ، وَ اِنِ ابْتَغَيْنَا الْعِزَّةَ بِغَيْرِهٖ اَذَلَّنَا اللّٰهُ،

ہم ایک ایسی قوم ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت بخشی اگر ہم نے عزت کو اسلام کے علاوہ کسی اور

نظام حیات میں تلاش کیا تو اللہ ہم کو ذلیل کر دے گا ۔

آ ج مسلمانوں میں موجودہ صورتِ حال کو تبدیل کرنے کی تڑپ پائی جاتی ہے وہ چاہتے ہیں کہ غیر اقوام کے قانون سے خود کو آزاد کرا کے قرآن و سنت کے نظام حیات میں دوبارہ عزت تلاش کریں ۔ اسی تڑپ کے وہ مظاہر ہیں جو دنیا کے مختلف خطوں میں عالم اسلام اور عالم کفر کے مابین کشمکش کی صورت میں نظر آ رہے ہیں ۔

امتِ مسلمہ کو ایسے رجال کار کی ضرورت ہے جن کی جدید قانونی نظریات پر تنقیدی نظر ہو اور جو فقہ اسلامی کے اصل مآخذ سے استفادہ کرنے کی دسترس رکھتے ہوں ۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا احکامِ شریعت کی اکملیت' حقانیت اور ان کے قابل عمل ہونے پر غیر متزلزل ایمان اور ان احکام کو روبہ عمل دیکھنے کی حقیقی تمنا اور لگن بھی ہو ۔ ایسے رجال کار کی تیاری میں شریعہ اکیڈمی' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی' اسلام آباد بھی اپنے قیام کے روزِ اوّل سے مصروف عمل ہے ۔ اس سلسلے میں بیرونِ ملک کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی قانون دان طبقوں کے تربیتی پروگراموں کا انعقاد مسلسل جاری ہے ۔ اس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے شعبہ میں فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ''سلسلہ مباحث فقہیہ'' کی تیاری اور اردو اور انگریزی زبانوں میں تراجم کا کام بھی ہو رہا ہے ۔ شریعہ اکیڈمی کے تحت مطالعہ اسلامی قانون پر ایک ابتدائی کورس کامیابی سے چل رہا ہے ۔ اس ایک سالہ فاصلاتی کورس کے ذریعے اندرون اور بیرون ملک ہزاروں افراد اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں سے آگاہی حاصل کر چکے اور کر رہے ہیں ۔

ہم نے اس ابتدائی کورس کے آغاز پر اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ''ایڈوانس کورسز'' تیار کیے جا رہے ہیں اور جلد ہی ان کو شروع کر دیا جائے گا ۔ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمارے عزم کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشا' ہماری راہیں آسان فرمائیں اور ہم اس قابل ہوئے کہ اصول فقہ (Islamic Jurisprudence) میں اختصاصی مطالعہ (Advance Course) کا اجرا کر سکیں ۔ فاصلاتی نظام کے تحت یہ اختصاصی مطالعہ چوبیس درسی اکائیوں (Units) پر مشتمل اور ایک سالہ دورانیہ کا ہے ۔

اسلامی قانون میں دیگر اختصاصی مطالعہ جات کی تیاری کا کام جاری ہے ہم بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ اس نے جس طرح ہمیں اصولِ فقہ میں اس اختصاصی مطالعہ کو شروع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اسی طرح ہمارے دیگر منصوبوں کی تکمیل میں بھی فضل الٰہی شامل حال رہے گا ۔ إن شاء اللہ

پاکستان بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ پر قانون الٰہی کے غلبہ و قیادت کے لیے مطلوبہ رجالِ کار کی تیاری کسی ایک ادارے کا کام نہیں ہے بلکہ اس میں امتِ مسلمہ کے ہر فرد کو اپنی حیثیت کے مطابق کردار ادا کرنا ہے ۔

ہم اہل علم سے ایسی تجاویز کا خیر مقدم کریں گے جو ہمارے منصوبوں کی بہتری میں مدد و معاون ہوں ۔

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

ڈائریکٹر جنرل

شریعہ اکیڈمی' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی' اسلام آباد

تعارف

قرآن مجید قانونِ اسلامی کا اساسی مأخذ و مصدر ہے۔ فقہ اسلامی کے مآخذ و مصادر میں اوّلین درجہ قرآن مجید کا ہے۔ استنباطِ احکام کے لیے سب سے پہلے اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا' اس کے منافی کوئی قانون سازی نہیں ہوسکتی۔

اس درسی اکائی (Unit) میں قرآن مجید فقہ اسلامی کے اوّلین مصدرِ احکام کے طور پر زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے خصائص' میزات اور اعجاز کیا ہیں' وہ مکلفین سے متعلق احکام کی کن اقسام پر مشتمل ہے' اس کی اپنے احکام پر دلالت کس کس طرح سے ہے' احکام بیان کرنے میں قرآن مجید نے کیا اسلوب اختیار کیا ہے اور اس ضمن میں کن اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے۔

اس درسی اکائی کا مقصد یہ ہے کہ فقہ اسلامی میں انسانی مسائل کے حل اور احکام کا استنباط کرنے میں قرآن مجید کو بطور مصدرِ اول جو حیثیت اور اہمیت حاصل ہے وہ آپ پر اچھی طرح واضح ہو جائے۔ قرآن مجید سے آپ کا تعلق مضبوط ہو اور زندگی کے ہر مسئلہ میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید کی طرف رجوع کرنے کا ذوق پیدا ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن

مصادرِ احکام : ابتدائی مباحث

ابتداء میں علمِ فقہ اور علمِ اصول فقہ دونوں ایک ہی چیز تھے لیکن آہستہ آہستہ انہوں نے دو الگ علوم کی صورت اختیار کر لی۔ احکام متخرجہ کو ''فقہ'' کہا جانے لگا اور احکام متخرجہ جن اصولوں کے تابع کئے گئے ان کو علم ''اصولِ فقہ'' کا نام دیا گیا۔ شرعی احکام ان مآخذ اور مصادر سے معلوم ہوتے ہیں جو شارع (Lawgiver) نے دیئے یا قائم کیے ہوں۔ جنہیں اصولِ احکام، مآخذ تشریع الاحکام، مصادر الاحکام اور ادلّۃ الاحکام کہا جاتا ہے۔ یہ سب ایک ہی نام کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان سب کا مطلب ایک ہی ہے۔

شرعی احکام کے مصادر عقل کے منافی نہیں۔ شریعت نے ان کو اس لیے قائم کیا ہے کہ ان سے احکام نکالے جا سکیں۔ اگر یہ عقل کے خلاف ہوں تو ان کا مقصد بھی فوت ہو جائے۔ استقراء (یعنی مآخذ کا عام جائزہ) سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ مآخذ عقل کے تقاضے کے مطابق ہیں، عقل سلیم ان کو تسلیم کرتی ہے اور ان کے تقاضے کے سامنے سرخم کرتی ہے۔

مصادر یا مآخذ کی مختلف اقسام ہیں۔ ان کو علماء اصول نے جن زاویہ ہائے نظر سے دیکھا اور جن پر ان کو تقسیم کیا ہے ان میں سے دو قسمیں جو ہمارے سامنے آتی ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں :

۱۔ اتفاق واختلاف کے اعتبار سے۔

۲۔ عقل اور رائے کے استعمال کی طرف رجوع کرنے کے اعتبار سے۔

ان کی مزید چند اقسام ہیں۔ اول الذکر تقسیم کی پہلی قسم وہ مآخذ ہیں جن پر تمام مسلمان آئمہ ومجتہدین متفق ہیں اور وہ قرآن اور سنّت ہیں۔ دوسری قسم ان مآخذ کی ہے جن پر جمہور ائمہ متفق ہیں اور یہ اجماع اور قیاس ہیں۔ تیسری قسم ان مآخذ کی ہے جن میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں جمہور علماء جو قیاس کے حق میں ہیں وہ بھی اس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض علماء نے عرف، استصحاب، مصالح مرسلہ، شرائع ماقبل اسلام یعنی سابقہ امتوں کی شریعتیں اور مذہب صحابی (کسی مسئلہ میں انفرادی طور پر ایک صحابی کا فتوی) کو تشریع احکام کے مستقل مآخذ قرار دیا ہے اور بعض نے نہیں قرار دیا۔

نقل اور رائے کی طرف رجوع کے اعتبار سے مآخذ کو نقلی اور عقلی دو اقسام میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ نقلی مآخذ کتاب اور سنت ہیں ان کے ساتھ اجماع، مذہب صحابی اور شرائع قبل اسلام کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ یہ ان کے نزدیک ہے جو ان کو مآخذ سمجھتے اور مانتے ہیں۔ مآخذ کی ایسی قسم کو نقلی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں شارع کی طرف سے جو امور منقول ہیں صرف انہی کی پیروی کی

جاتی ہے اور اس میں کسی رائے اور فکر ونظر کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اس لیے ان کو تعبدی کہا جاتا ہے۔ اب رہے عقلی مآخذ تو یہ وہ مآخذ ہیں جن کا مرجع عقل وفکر اور رائے ہے۔ ان میں بنیادی مأخذ قیاس ہے جس کے ساتھ استحسان، مصالح مرسلہ اور استصحاب کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ مآخذ کی اس قسم کو عقلی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں غور وفکر اور عقل ورائے سے احکام حاصل کیے جاتے ہیں اور یہ احکام براہ راست شارع سے منقول نہیں ہوتے۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ان دونوں اقسام میں سے ایک قسم دوسرے کی محتاج ہے۔ چنانچہ جو امور شارع سے منقول ہیں ان میں غور وفکر ضروری ہے جس کے لیے عقل سلیم کا استعمال ناگزیر ہے۔ چونکہ عقل ان احکام کو سمجھنے کا ایک آلہ اور ذریعہ ہے لہٰذا رائے پر مبنی تعبیر صرف اس وقت درست سمجھی جائے گی جب اس میں نقل سے استنباط کیا گیا ہو۔ کیونکہ عقل مجرد کا تشریع احکام یعنی احکام سازی میں کوئی دخل نہیں ہے(۱)۔ شریعت اسلامی کے مآخذ ومصادر کتاب اور سنت ہی پر منحصر ہیں لہٰذا وہ مآخذ جن پر اعتماد اور اعتبار کیا جا سکے وہ عقل سے ثابت نہیں ہو سکتے بلکہ وہ قرآن اور سنت سے ثابت ہوتے ہیں۔ اس بنا پر قرآن اور سنت احکام کا مرجع اور سند ہیں۔ یہ دونوں مآخذ جزئی اور فرعی (اجمالی اور تفصیلی) احکام مثلاً زکوٰۃ، خرید وفروخت اور تعزیرات وغیرہ کے متعلق احکام بتاتے ہیں اور بنیادی قواعد اور اصول بھی بتاتے ہیں جو تفصیلی اور اجمالی احکام کے لیے سند کا مقام رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمیں قرآن وسنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجماع حجت ہے اور استنباط احکام کے لیے ایک فیصلہ کن مأخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح قیاس اور اسلام سے قبل کی شریعتیں وغیرہ۔ ان سب کے متعلق اصول وقواعد انہی دو مآخذ سے حاصل ہوتے ہیں۔

مگر یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ سنت کا مرجع بھی قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید میں ان الفاظ اور احکام کا ذکر بیشتر مقامات پر کیا گیا ہے جس سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ سنت قرآن مجید کے مفاہیم ومضامین کی توضیح وتشریح کرتی ہے اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید ہی اصل الاصول ہے اور ان تمام مآخذ ومصادر کا منبع ہے اور یہ کہ تشریع اسلامی کے تمام مآخذ اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ یہ بات تو واضح ہے کہ حکم شرعی معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا ہوگا کیونکہ سنت قرآن مجید کے احکام اور مطالب کی توضیح وتشریح کرتی ہے اور اگر کسی مسئلہ کا حل ہمیں سنت سے بھی نہ ملے تو اس صورت میں اجماع کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے۔ ان مآخذ کی طرف رجوع کرنے اور ان سے استخراج احکام کے لحاظ سے مصادر اصلیہ کی جو ترتیب ہمارے سامنے آتی ہے اس میں اول قرآن مجید، دوم سنت، سوم اجماع اور چہارم قیاس ہے۔ وہ فقہاء جو اجماع اور قیاس کی حجیت کے قائل ہیں وہ قرآن وسنت کے علاوہ ان کو تشریع احکام کا مآخذ مانتے ہیں، اس ترتیب پر ان سب کا اتفاق ہے۔ جمہور فقہاء اس ترتیب پر اتفاق رکھتے ہیں۔ اُمت مسلمہ کے بنیادی عقیدہ کی رو سے تشریع احکام کا مصدر اول قرآن مجید ہے۔

۱۔ الموافقات فی اصول الشریعہ ۳/ ۴۱

قرآن مجید بحیثیت مصدر احکام

شریعت اسلامی کی دلیل اول اور اساسی مأخذ و مصدر قرآن مجید ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس کے منزل من اللہ ہونے کی صراحت اس طرح فرماتے ہیں :

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ (آل عمران ۳:۳)

اس نے آپ پر سچی کتاب نازل کی

قرآن مجید نبی آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ۲۳ سالوں میں مکمل ہوا اور اس میں قیامت تک کی نسل انسانی کی تمام ضروریات کا حل موجود ہے۔

قرآن مجید کی تعریف

قرآن مجید یعنی الکتاب کا مصداق کیا ہے؟ اس ضمن میں امت مسلمہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے مگر اس کی تعریف میں ہر عالم کی یہ خواہش تھی کہ اس کی تعریف جامع ہو' اس لیے اصولیین نے اپنے علم وبصیرت کی رو سے اس کی تعریف میں مختلف تعبیرات کا اظہار کیا ہے۔ ان میں سے بعض اہم تعبیرات کو یہاں بیان کیا جاتا ہے تاکہ ان سے معنی کے سمجھنے میں آسانی پیدا ہو :

۱۔ علامہ آمدیؒ فرماتے ہیں:

الکتاب هو القرآن المنزل (۲)

الکتاب سے مراد قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

۲۔ علامہ صدر الشریعہؒ نے لکھا ہے:

الکتاب ای القرآن و هو مانقل الینا بین دفتی المصاحف تواتراً (۳)

الکتاب یعنی قرآن جو اول سے آخر تک (سارے کا سارا) مصاحف میں تواتر کے ساتھ نقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے۔

۳۔ علامہ سبکیؒ نے قرآن کی تعریف یوں کی ہے:

الکتاب القرآن و المعنی به هنا اللفظ المنزل علی محمد صلی الله علیه وسلم اعجاز بسوره

۲۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۸۲/۱

۳۔ التلویح ۲۶/۱

منہ المتعبد بتلاوۃ (۴)

الکتاب سے مراد قرآن ہے جس کے الفاظ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے جس کی ہر سورت یا حصہ معجزہ ہے اور جس کا پڑھنا باعث ثواب ہے۔

۴۔ علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

ھو کلام اللہ المنزل علی محمد المتلوالمتواتر (۵)

یہ (قرآن) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ اللہ کا کلام ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور یہ تواتر کے ساتھ ہے۔

۵۔ علامہ شوکانیؒ نے ایک تعریف یہ بیان کی ہے:

کلام العربی الثابت فی اللوح المحفوظ (۶)

وہ عربی کلام جو لوح محفوظ میں ثبت ہے۔

۶۔ قاضی محب اللہ بہاریؒ نے لکھا ہے:

ان القرآن عندنا اسم لکل النظم المعجز و المعنی المفاد (۷)

ہمارے نزدیک قرآن ان الفاظ اور ان سے ماخوذ معانی کا نام ہے جو معجزہ ہیں۔

۷۔ شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے:

پس قرآن کریم اپنی اصل کے اعتبار سے قدیم ہے اور نزول کے اعتبار سے محدث (جدید)' عربی زبان میں ہے اور اللہ تعالی کا کلام ہے جو بزرگ فرشتے (حضرت جبرائیل علیہ السلام) کے واسطے سے نازل ہوا۔ اللہ کے بندے جس کی تلاوت کرتے ہیں اور جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے۔ عالم ملائکہ میں اس کلام کی بڑی عظمت و شان ہے' جس کی تعظیم واجب ہے' جس کی تلاوت باعث برکت ہے اور جو انسان کی حاجات پوری کرنے میں بڑی موثر ہے (۸)۔

۴۔ جمع الجوامع ۱/۲۲۳

۵۔ ارشاد الفحول ص ۳۰

۶۔ حوالہ بالا ص ۳۰

۷۔ مسلم الثبوت ص ۱۵۰

۸۔ مکتوبات کلمات طیبات ص ۱۶۹

ان تعریفات میں الفاظ کے اختلاف اور قیود کی کمی بیشی صرف مناسبت' کفایت اور حُسنِ تعبیر پر مبنی ہے مگر نتیجہ میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن صرف وہ ہے جو بطریق متواتر منقول ہے۔ جو بطریق احاد(۹) یا بطریق شاذ(۱۰) منقول ہے وہ قطعاً قرآن نہیں ہے۔ چنانچہ ان تمام تعریفات سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے وحی کی صورت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل ہوا' جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور یہ ہم تک بغیر کسی شک وشبہ کے تواتر کے ساتھ نقل در نقل ہو کر پہنچا ہے اور جس کا پڑھنا باعث ثواب ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ لفظ قرآن کا اطلاق اگر کلام مقرء (پڑھا جانے والا) اور کلام لفظی پر ہوتا ہے تو کچھ تغیر کے ساتھ اس کا اطلاق کلام ازلی اور کلام نفسی پر بھی ہوتا ہے جو غیر مخلوق اور قدیم ہے(۱۱)۔ جبکہ ایک اصولی (ماہر اصولِ فقہ) کی نظر میں احکام کا مدار کلام لفظی پر ہوتا ہے کلام نفسی پر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الکتاب یا القرآن کے الفاظ کلام لفظی کے لیے بولے جاتے ہیں جبکہ ''المنزل علی رسول الله '' کی قید لگانے سے کلام ازلی اور کلام نفسی کا اخراج مقصود ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سابقہ انبیاء پر نازل شدہ کتب اور صحیفے اور احادیث نبوی بھی قرآن میں شامل نہیں ہیں۔ اسی طرح ''المکتوب فی المصاحف '' کی قید سے اس حصہ کا اخراج مقصود ہوتا ہے جس کی تلاوت منسوخ اور حکم باقی ہے۔ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن صرف وہ ہے جو بطریق متواتر منقول ہے اور جو بطریق احاد یا بطریق شاذ منقول ہے وہ قطعاً قرآن نہیں ہے۔ مزید یہ کہ غیر اللہ کا کلام بھی قرآن نہیں ہے۔

اسمائے قرآن مجید

قرآن مجید کے متعدد نام آئے ہیں۔ اس سلسلے میں نوے سے زیادہ اسماء وصفات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ علامہ بدرالدین زرکشیؒ نے اُنچاس کے قریب نام گنوائے ہیں(۱۲) ان میں سے مشہور نام یہ ہیں :

۱۔ الکتاب

قرآن مجید میں ہے :

۹۔ وہ روایت جس میں متواتر کی شرائط نہ پائی جائیں۔ متواتر کی شرائط میں یہ ہے کہ اس کے راویوں کی تعداد بلاتعیین کثیر ہو۔ یہ کثرت سند کے تمام طبقات میں ابتداء سے انتہا تک یکساں ہو۔ ہر طبقے کے راوی اتنی کثرت سے ہوں کہ جس کا جھوٹ پر اتفاق عادتاً اور عقلاً محال ہو اور اس روایت کا تعلق حس سے ہو۔

۱۰۔ ایسی روایت جسے کسی ثقہ راوی نے اپنے سے بہتر راوی کی مخالفت کر کے روایت کیا ہو۔

۱۱۔ التلویح ۱/۲۷

۱۲۔ مطالعہ قرآن ص ۵۲

تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْم (الاحقاف ۴۶ : ۲)

یہ الکتاب اللہ غالب وحکیم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

کتابت کے معنی لکھنے، جمع کرنے اور حکم دینے کے ہیں۔ الکتاب سے مراد ایسا صحیفہ ہے جس میں یہ تینوں اوصاف مکمل صورت میں موجود ہوں۔ یعنی جو باقاعدہ تحریری شکل میں موجود ہو، جس میں وحی کے تمام مشمولات پائے جائیں اور جس میں انفرادی و اجتماعی اور اخلاقی و روحانی رہنمائی کے لیے احکامات درج ہوں۔

۲۔ الفرقان

قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْراً (الفرقان ۲۵ : ۱)

وہ اللہ بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ دنیا بھر کے لیے ہدایت قرار پائے۔

فرقان سے مراد وہ چیز ہے جس سے حق و باطل میں امتیاز ہو۔ قرآن مجید حق اور باطل، خیر اور شر کی نشاندہی کرتا ہے۔

۳۔ قرآن

یہ کتاب الٰہی کا ذاتی نام ہے۔ قرآن کا ذکر بحیثیت اسم ذات کے ستر سے زائد مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً:

وَاُوْحِىَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ (الانعام ۶ : ۱۹)

اور اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن مجھ پر اس لیے وحی کیا ہے کہ اس کے ذریعے تم کو آگاہ کروں۔

قرآن قرأ کا مصدر ہے جس کے دو معنی آتے ہیں، ایک پڑھنا یعنی تلاوت کرنا اور دوسرا جمع کرنا۔ قرآن مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت زیادہ پڑھی جانے والی کتاب اور اس میں سابقہ امتوں اور کتب کے احوال بھی سمیٹ دیئے گئے ہیں۔

حجیت قرآن مجید

امت مسلمہ میں اس ضمن میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے کہ قرآن مجید تمام لوگوں کے لیے حجت ہے اور تشریع اسلامی کا مصدر اول ہے۔ اس کے حجت ہونے کی اولین برہان یہ ہے کہ یہ منزل من اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کی دلیل اس کا اعجاز ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور کلام الٰہی ہے تو سب پر اس کی اطاعت و پیروی واجب ہوگئی، لہٰذا اس امر کے پیش نظر قرآن مجید حجت ہونے کے ساتھ ساتھ قانون سازی کا پہلا ماخذ بھی ہے۔

۱۔ منزل من اللہ ہونا

قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کا ثبوت ہمیں آیات قرآنیہ ہی سے حاصل ہوتا ہے جن کی صراحت اور تصدیق و توثیق

کے بعد کسی دلیل یا ثبوت کے پیش کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا اَنزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا
آرَاكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْماً (النساء۴ : ۱۰۵)

بے شک ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حق کے ساتھ کتاب اُتاری تا کہ آپ لوگوں میں اس چیز کے مطابق جو اللہ نے آپ کو بتائی، فیصلہ کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو جائیں خیانت کرنے والے کی طرف سے جھگڑنے والے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ لَارَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِ الْعَالَمِيْنَ (سجدۃ۳۲ :۲)

یہ کتاب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

ایک دوسری آیت میں اسی بات کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی (النجم۵۳ : ۳،۴)

اور وہ (حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے نہیں بولتے یہ (قرآن) تو وحی ہے جو ان پر اُتاری جاتی ہے۔

متذکرہ بالا آیات کی روشنی میں اس بات کی کلی صراحت پائی جاتی ہے کہ قرآن مجید صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے اور یہ اول تا آخر سب اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے اس میں کسی غیر اللہ کا دخل نہیں ہے۔

۲۔ معجزہ

قرآن مجید ایسا معجزۂ الٰہی ہے کہ دنیا کے تمام انسان اور جن اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہیں۔ قرآن مجید نے اپنے مخالف عربوں کو اس جیسا کلام پیش کرنے کا چیلنج کیا تھا مگر وہ ایسا کرنے سے عاجز رہے جو اس کے قطعی الثبوت ہونے پر دلیل ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَاْتُوْنَ
بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْراً (بنی اسرائیل ۱۷ : ۸۸)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے اگر انسان اور جن اس پر جمع ہو جائیں کہ ایسا قرآن لائیں تو ایسا (قرآن) نہ لاسکیں گے، اگر چہ ان میں سے بعض بعض کے مددگار بن جائیں۔

لیکن وہ ایسا کرنے سے عاجز رہے۔ پھر دس سورتیں پیش کرنے کے لیے کہا گیا مگر وہ اس سے بھی عاجز رہے۔ جیسا کہ قرآن

مجید میں ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيَاتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (ھود ۱۱ : ۱۳)

کیا کہتے ہیں کہ اس نے اس قرآن کو گھڑ لیا ہے تو آپ کہہ دیں کہ تم ایسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو (مدد کے لیے) پکار سکو پکارو اگر تم سچے ہو۔

سب سے آخر پر ان کو صرف ایک سورت بنانے کو کہا گیا مگر کہ وہ اس سے بھی عاجز رہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (البقرۃ ۲ : ۲۳، ۲۴)

اور اگر تم اس چیز میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری شک میں ہو تو تم اس کی مانند ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بلا لاؤ، اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے واسطے تیار کی گئی ہے۔

اہل عرب اس دعوت مقابلہ میں جو ہمتوں، حوصلوں اور قوتوں کو بلند کرتی ہے اور شعوری صلاحیتوں میں جوش و جذبہ اور ولولہ پیدا کرتی ہے، عاجز و قاصر رہے۔ اس دعوت مقابلہ کا محرک عرب تھے بالخصوص اہل عرب میں وہ کفار و مشرکین تھے جنھوں دعوت اسلام کو قبول نہیں کیا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی دعوت کو جھٹلاتے تھے۔ اہل عرب عربی زبان کے محاسن اور اس کی فصاحت و بلاغت سے بخوبی واقف تھے، مزید براں انہیں اقتدار اور حکمرانی بھی حاصل تھی مگر اس کے باوجود وہ عاجز اور بے بس ہو گئے۔ یہ اس بات کی طرف واضح دلیل ہے کہ قرآن مجید جو عربی زبان میں نازل ہوا ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ جن پر نازل ہوا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۳۔ قطعی الثبوت

قرآن مجید کے قطعی الثبوت ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ یہ ہمارے پاس اسی صورت میں موجود ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا۔ یہ نہ صرف سینہ بہ سینہ محفوظ رہا بلکہ تحریری طور پر بھی اسی طرح محفوظ رہا جس طرح یہ وحی کے ابتدائی زمانہ میں تھا اور ان شاء اللہ اسی طرح محفوظ رہے گا اور پھر دعوت مقابلہ پر باوجود لسانی و علمی ملکہ رکھنے کے فصیح و بلیغ، حکیم و دانا، تجربہ کار اور ماہر لوگ قرآن مجید کی مثل ایک آیت بھی نہ لا سکے جو اس کے قطعی الثبوت ہونے اور ازلی و ابدی آسمانی کتاب ہونے کی دلیل ہے۔

۴۔ اجماعِ امت

علمائے اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن مجید تشریع اسلامی کا مصدر اول ہے بلکہ اس ضمن میں بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ صرف قرآن مجید ہی اصل مأخذ ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز تشریع اسلامی کا مصدر اور سرچشمہ نہیں بن سکتی۔ البتہ دیگر اصول اس مصدر اصلیہ کی توضیح وتشریح کرتے ہیں یا اس کے بنیادی اصول سے فروعی احکام کا استنباط کرتے ہیں' اس مقصد کے لیے وہ اپنا بنیادی تصور قرآن مجید ہی سے حاصل کرتے ہیں۔ علامہ شاطبیؒ اپنی کتاب ''الموافقات'' میں تمام علماء اور امت مسلمہ کا اجماع نقل کرتے ہیں کہ تمام امت مسلمہ اسے متفقہ طور پر مصدر اول اور اصلی قرار دیتی ہے۔

میزات قرآن مجید

قرآن مجید وہ کتاب الٰہی ہے جس کی میزات وخواص کو شمار کرنا انسانی بساط سے باہر ہے' تاہم اس کے دلیل اور مأخذ ہونے کی صورت میں اس کی جو چند خصوصیات ہمارے سامنے آتی ہیں کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ کلام اللہ ہونا

یہ کلامِ الٰہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔ دیگر کتب آسمانی مثلاً توریت' انجیل اور زبور وغیرہ قرآن مجید میں شامل نہیں ہیں اس لیے کہ وہ عزت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں ہوئیں۔

۲۔ نزول لفظاً ومعناً

قرآن مجید الفاظ ومعانی کا مجموعہ ہے اس کے الفاظ اور ان کا معنی ومفہوم دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔

۳۔ تواترِ نقلی

یہ تواتر کے ساتھ نقل در نقل ہم تک پہنچا ہے۔ یہ جن لوگوں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے ان کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جھوٹ پر متفق اور مجتمع ہو گئے ہوں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کے مقامات ایک دوسرے سے الگ اور دور ہیں اور یہ بھی کہ جن لوگوں سے انہوں نے نقل کیا وہ بھی تعداد میں انہی کی طرح کثیر اور دور دراز مقامات پر ایک دوسرے سے الگ الگ تھے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے ہمارے زمانے تک یہ سلسلہ اسی طرح نقل ہوتا آ رہا ہے اور ہمارے دور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک اسی طرح برقرار ہے۔ اس کا نقل ہونا زمانہ اول میں بھی ایسا ہی تھا جیسا زمانہ آخر میں نقل ہونا۔ جبکہ درمیان کے عہد میں بھی اس کا نقل ہونا زمانہ اول وآخر ہی جیسا ہے (۱۳)۔ اس بنا پر قرآن مجید کی وہ قراتیں جو تواتر کے طریقہ سے

۱۳۔ اصول بزدوی ۲۸۲/۱

منقول نہیں، اس میں شامل نہیں ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں ایک روایت ہے کہ آپ نے قرآن مجید کی آیت فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ (البقرۃ ۲: ۱۹۶) کے آخر میں "متتابعات" کے لفظ کا اضافہ کیا[۱۴]۔

اس اضافہ سے مراد امام غزالیؒ کے مطابق یہ ہے کہ "متتابعات" (مسلسل) سے "ثلاثة ایام" (تین دن) کی وضاحت مقصود ہے یعنی قسم توڑنے کی صورت میں جو مسکینوں کو نہ کھانا کھلا سکے اور نہ کپڑا پہنا سکے وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "متتابعات" (مسلسل) لفظ کا اضافہ فرمایا جس سے ان کا مدعا و مقصود تین دن کی توضیح و تشریح تھا۔

۴۔ ہر قسم کی کمی بیشی سے محفوظ ہونا

قرآن مجید ہر قسم کی کمی بیشی سے بالاتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس مقدس کلام کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے رکھی ہے، اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر ۱۵:۹)

بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج تک اس میں کوئی کمی بیشی ممکن نہیں ہوئی اور نہ مخلوق میں اس کلام الٰہی کا مقابلہ کرنے یا زیادتی و نقصان کی جرات و بساط ہے۔

۵۔ قرآن مجید کا معجزہ ہونا

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، قرآن مجید ایسا معجز کلام ہے کہ اس جیسا کلام پیش کرنے سے تمام مخلوق عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخالف عربوں کو اس جیسا کلام پیش کرنے کے لیے چیلنج کیا تھا لیکن ایسا نہیں کر سکے اور عاجز رہے جو قرآن مجید کے معجزہ ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

وجوہ اعجازِ قرآن مجید

قرآن مجید کے اعجاز کے مختلف پہلو ہیں جن کو دائرہ تحریر میں لانا اگرچہ ممکن نہیں ہے تاہم ان میں سے چند ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

۱۴۔ المستصفی: ۱/۵۲

۱۔ بلاغت قرآن مجید

قرآن مجید کا اعجاز اس کی فصاحت و بلاغت ہے جو تمام قرآن مجید میں اول تا آخر ایک ہی صورت میں پائی جاتی ہے۔ باوجودیکہ موضوعات اور طرزِ تخاطب میں بار بار تبدیلیاں آتی ہیں اور مختلف مضامین وقفے وقفے کے بعد نازل ہوتے ہیں لیکن ان اسباب کے ہوتے ہوئے بھی مخالفین یہ کہنے پر مجبور، متحیر اور عاجز ہو گئے کہ انھوں نے ایسی بلاغت نہ نثر میں دیکھی اور نہ نظم میں پائی۔

۲۔ مستقبل میں پیش آمدہ حالات

قرآن مجید میں مستقبل میں پیش آمدہ حالات و واقعات کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور یہ بھی کہ وہ محض ذکر ہی کی حد تک نہیں بلکہ بالفعل اسی طرح رونما ہوئے۔ جیسے کہ ایک مقام پر آیا ہے:

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ (الروم ۳۰: ۱ تا ۴)

الم۔ رومی مغلوب ہو گئے نزدیک کے ملک میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد جلد غالب ہوں گے

۳۔ اُمم سابقہ کے حالات

اللہ تعالیٰ نے گذشتہ اقوام کے حالات کا بیان متعدد مقامات پر کہیں تفصیل سے اور کہیں اجمالی طور پر کیا ہے۔ ان قوموں کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ چکا تھا اور اہل عرب ان کے عدم وجود کی بنا پر انھیں بھول چکے تھے۔ ان کے آثار و باقیات میں سے کچھ موجود نہ تھا اور نہ ہے اور نہ ان کے وجود و آثار کا کچھ علم ہو سکے گا سوائے اس کے جو کچھ ان کے بارے میں قرآن مجید نے بیان کر دیا ہے۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا (ھود ۱۱ : ۴۹)

یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اس سے پہلے تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نہ آپ ان کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔

۴۔ سائنسی حقائق

ان حقائق کی دلالت جن کا جدید سائنس نے صدیوں بعد انکشاف کیا، ان کا اس سے پیشتر کہیں علم نہیں تھا لیکن قرآن مجید اس کی طرف رہنمائی صدیوں قبل کر چکا ہے جیسا کہ فرمایا:

اَوَلَمْ يَرَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَ جَعَلْنَا
مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ (الانبیاء ۲۱: ۳۰)

کیا کفر کرنے والوں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں متصل تھے پھر ہم نے ان دونوں کو

جداجدا کردیا اور ہم نے ان سے ہر جاندار چیز بنائی پھر کیا وہ ایمان نہیں لاتے ؟

وَ اَرْسَلْنَا الرِّیَاحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ (الحجر۲۲:۱۵)

اور ہم نے بوجھل ہوائیں چلائیں پھر ہم نے آسمان سے پانی اتارا اور پھر ہم نے وہ تم کو پلایا۔

احکامِ قرآن مجید

قرآن مجید متعدد و مختلف انواع کے احکام پر مشتمل ہے جن کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ عقائد سے متعلق احکام

۲۔ اخلاقیات کے بارے میں احکام

۳۔ مکلفین کے اقوال وافعال سے متعلق عملی احکام

یہاں ان کو کسی قدر اختصار سے پیش کیا جاتا ہے تاکہ اصول اور فقہ سے متعلق معاملات کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

۱۔عقیدہ سے متعلقہ احکام

بعض احکام عقیدہ سے متعلق ہیں جیسے ایمان باللہ، ملائکہ، کتب الہیہ، رسل اور یوم آخرت پر ایمان سے متعلق احکام۔ یہ اعتقادی احکام علم کلام اور علم توحید کا موضوع ہیں۔

۲۔اخلاقیات سے متعلقہ احکام

یہ وہ احکام ہیں جن کا تعلق تہذیب وتقویم نفس اور اخلاق و کردار انسانی سے ہے، مثال کے طور پر سورت الحجرات میں آپس میں تمسخر اڑانے، بہت گمان کرنے، تجسس کرنے اور غیبت کرنے کی ممانعت میں احکام بیان ہوئے ہیں۔ علم اخلاق اور تصوف میں ان احکام کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔

۳۔ مکلفین کے اقوال وافعال سے متعلق عملی احکام

یہ وہ احکام ہیں جن کا تعلق عمل سے ہے خواہ قولی ہوں یا عملی۔ فقہ اور اصول فقہ کا مقصد ان احکام ہی سے واقفیت ورسائی حاصل کرنا ہے۔ ان احکام کی بھی دو قسمیں ہیں

۱۔عبادات ۲۔ معاملات

۱۔عبادات

ان احکام کا تعلق عبادات سے ہے جو بندے کا اس کے رب کے ساتھ رشتہ عبدیت اور ربوبیت کو باہم استوار کرتی ہیں

جیسے نماز اور روزہ وغیرہ۔ بالفاظ دیگر ان کو حقوق اللہ کہا جاتا ہے۔ان میں انفرادی اور شخصی فائدہ کے بجائے جماعت کا فائدہ مقصود ہوتا ہے۔ان سے انحراف کی صورت میں نقصان عظیم اور تعمیل واطاعت میں بے حد منافع ہیں۔اس لیے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ان کو عبادات یا حقوق اللہ اس لیے نہیں کہا جاتا کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ ہے بلکہ اس کی ذات عالی ان حاجات سے مبرا ہے اور نہ اس بنا پر انھیں حقوق اللہ کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ کریم کے وضع کردہ ہیں کیونکہ تمام عبادات وفرائض اسی کے پیدا کردہ اور اس کے لیے ہیں اور وہی سب کا خالق و مالک ہے' لہٰذا حقوق اللہ کو حقوق عامہ کے مترادف سمجھنا چاہیے۔شریعتِ اسلامی مذہبی فرائض کو مفید عام افعال ٹھہراتی ہے۔فقہاءِ کرام ''حقوق اللہ'' کی اصطلاح سے اجتماعی حقوق مراد لیتے ہیں کیونکہ ان سے کسی فردِ واحد کی نہیں بلکہ اجتماعی مصالح اور اجتماع نظام کی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔

۲۔ معاملات

یہ وہ امور ہیں جو عبادات کے علاوہ ہیں' ان کو فقہاء کی زبان میں معاملات کہتے ہیں۔ یہ وہ احکام ہیں جو شخصی قانون (Private Law) اورعام قانون (Public Law) کے ضمن میں آتے ہیں۔ان احکام کا مقصد فرد کا فرد کے ساتھ تعلق' فرد کا تعلق جماعت کے ساتھ اور جماعت کا تعلق جماعت کا ساتھ استوار اور منظم کرنا ہے۔عبادات یعنی حقوق اللہ اور معاملات یعنی حقوق العباد میں جو امتیاز ہے وہ یہ ہے کہ حقوق اللہ کی تعمیل کرانا حکومت کا فرض ہے۔کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ حقوق اللہ کو ساقط' معاف یا کالعدم قرار دے۔جبکہ شخصی حقوق کی پابندی کرانا یا نہ کرانا اس شخص یا اشخاص کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے جن کے حقوق میں ظلم و زیادتی کی جاتی ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اعمال جو حقوق عامہ کی بنا پر ہوتے ہیں وہ بعض اشخاص پر بہ نسبت دیگر افراد کے زیادہ موثر ہوں' مگر اس بنا پر ان لوگوں کو افعال مذکور کے مرتکبین کو معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔جبکہ حقوق العباد کی خلاف ورزی کی صورت میں ان لوگوں کو جنہیں ضرر پہنچے یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو ان کو معاف کردیں اور اگر چاہیں تو وہ اپنے نقصان کی تلافی پر مصر ہوسکتے ہیں۔چنانچہ اس نظریہ کی بنا پر معاملات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے :

ا۔ عائلی/شخصی معاملات

یہ وہ احکام ہیں جن کا تعلق خاندانی یا شخصی مسائل سے ہے۔ان کو عائلی یا شخصی قوانین کہا جاتا ہے۔ان احکام کا مقصد خاندان کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنا اور اس کے افراد کے حقوق و فرائض کو بیان کرنا ہے۔قرآن مجید میں ان احکام سے متعلق آیات کی تعداد تقریباً ستر ہے۔ان احکام کا دائرہ نکاح' طلاق' اولاد' نسب اور ولدیت وغیرہ پر مشتمل ہے۔ 70 آیات

۲۔ مالی یا دیوانی معاملات Civil Law

ان احکام کا تعلق لوگوں کے مالی معاملات سے ہے۔ اسے مدنی قانون بھی کہتے ہیں۔جدید اصطلاح میں انہیں دیوانی قانون کہتے ہیں۔اس ضمن میں وہ تمام معاملات آتے ہیں جو بیع' رہن اور تمام عقود سے متعلق ہیں۔

Sale, Mortgage and Contracts

۳۔ فوجداری معاملات

ان معاملات کا تعلق جرائم اور ان کی سرزنش وعقوبات سے ہے۔ اسے اسلام کا قانون فوجداری یعنی جرم وسزا کا قانون کہتے ہیں۔ اس کا مقصد معاشرہ میں امن وسکون صلح وآشتی کی فضا پیدا کرنا اور لوگوں کو جان و مال عزت وآبرو اور ہر قسم کا تحفظ دینا ہے۔ اس قسم کے احکام کے متعلق قرآن مجید میں تقریباً تیس آیات نازل ہوئی ہیں۔ 30 آیات

۴۔ دستوری یا حکومتی معاملات

قرآن مجید نے اسلامی نظام حکومت، حاکم اور محکوم کے مابین تعلق کی وسعت اور ان کے حقوق وفرائض کے بارے میں احکام دیئے ہیں ان کو دستوری قانون کہتے ہیں۔ ان امور سے متعلق آیات کی تعداد تقریباً دس ہے۔ 10 آیات

۵۔ بین الاقوامی عمومی وخصوصی معاملات

ان میں مملکت کے دیگر اسلامی وغیر اسلامی ممالک کے ساتھ عمومی وخصوصی نوعیت کے معاملات میں تعلقات، ان تعلقات کی زمانہ امن و جنگ میں نوعیت اور ان تعلقات سے اخذ ہونے والے نتائج کے بارے میں احکام شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اسلامی مملکت کے زیر پناہ آنے والے غیر اسلامی ممالک کے باشندوں کے متعلق احکام بھی ہیں۔ ان میں سے بعض احکام عام بین الاقوامی دائرہ میں شمار ہوتے ہیں اور بعض احکام خصوصی بین الاقوامی قانون میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق پچیس کے قریب آیات ہیں۔ 25 آیات

۶۔ معاشی یا اقتصادی معاملات

یہ احکام اسلامی ریاست کی آمدنی، اخراجات اور امراء واغنیاء کے اموال میں سے دیگر افراد کے حقوق وواجبات کے متعلق ہیں۔ ان احکام کے بارے میں آیات قرآنیہ کی تعداد دس کے قریب ہے۔ 10 آیات

احکام قرآن کی نوعیت

قرآن مجید میں تمام احکام تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل۱۶:۸۹)

اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا ذکر ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام۶:۳۸)

ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کمی نہیں کی۔

ان ارشادات الہیہ سے اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ تمام احکام تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں جنہیں تین اقسام میں تقسیم کیا سکتا

ب: اصولی احکام، اجمالی احکام اور تفصیلی احکام ۔ یہاں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جائے گا تا کہ ان کا سمجھنا آسان ہو:

ا۔ اصولی احکام

اس قسم کے تحت قرآن مجید کے وہ بنیادی اصول آتے ہیں جو تمام مسلمانوں کے لیے قیامت تک دستورِ عمل ہیں ۔ یہ وہ بنیادی اصول ہیں جو اسلامی قانون سازی میں رہنمائی کا کام دیتے ہیں ۔ انہی اصول کے تحت ہر زمانے میں مجتہدین اپنے دور کے حالات و ضروریات کے مطابق ان مسائل میں احکام کا استنباط کرتے چلے آ رہے ہیں جن کے متعلق قرآن و سنت میں کوئی واضح احکام موجود نہیں ہوتے ۔ مختلف مسائل، واقعات، معاملات اور اقوام و ماحول کے اختلاف کی بنا پر مختلف صورتیں اور نوعیتیں پیش آتی ہیں ۔ اسلام ایسا دینِ فطرت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے احسان فرماتے ہوئے بہت سے مسائل و احکام کو اس وقت کے مجتہدین کرام کے اجتہاد و تحقیق پر چھوڑ دیا ہے تا کہ وقتی ضرورت اور حاجات کے پیشِ نظر نئے پیش آمدہ مسائل کا حل ان اصول سے مستنبط کر سکیں ۔

وہ عام قواعد اور اصول جو قانون سازی اور احکام اخذ کرنے کی بنیاد ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں: شوریٰ، ذاتی ذمہ داری، معاہدہ کی پابندی، عدمِ حرج، تعاون علی الخیر وغیرہ ۔ ان کو یہاں کسی قدر اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تا کہ احکام کو سمجھنے میں آسانی ہو:

ا۔ شوریٰ

باہمی مشورہ کر کے مکمل حق و انصاف کو تلاش کرنا تا کہ راہِ حق پر رہتے ہوئے حصولِ مقصد میں افراط و تفریط سے کلی طور پر مامون و محفوظ ہو کر جو بھی حکم مستنبط کیا جائے وہ حق و صداقت پر مبنی ہو ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ اَمْرُ هُمْ شُوْرَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ ۴۲ : ۳۸)

اور ان کا کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ (آل عمران ۳ : ۱۵۹)

اور ان سے کام میں مشورہ لیجئے ۔

یہ بیان کردہ اصول اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ایسے معاملات پیش آتے تھے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اللہ تعالیٰ ہونے کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کی ضرورت پیش آتی تھی ۔ یہ امر موقعہ و حالات کی مناسبت سے ضروریات و حاجیات کے مطابق اجتہاد کی طرف دلالت کرتا ہے ۔ جس سے اس طرف مزید رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ ہر دور میں مجتہدینِ عصر اجتہاد سے استنباطِ احکام کر سکتے ہیں بلکہ اس کے لیے انہیں اجازت ہے اور ان کے لیے حکمِ الٰہی ہے اور یہ بھی کہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے اور کھلا رہے گا ۔

۲۔ عدل

اس سے مراد حقوق وفرائض ادا کرنے اور احکام پر عمل کرنے میں عدل وانصاف اختیار کرنا ہے ماسوا اس صورت کے جب مصلحت عامہ، ضرورت یا فطرت عدم مساوات کا تقاضا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان عدل کا حکم دیا ہے اور اس امر کی تاکید فرمائی ہے فیصلہ کرنے یا گواہی دینے میں نفسانی خواہش کی پیروی کرنے سے یہاں تک منع فرمایا ہے کہ خواہ فیصلہ کرنے والے کا ذاتی نقصان ہی کیوں نہ ہو عدل سے سرِ مو تجاوز نہ کیا جائے۔ اس معاملہ میں قریب وبعید، امیر وغریب اور اپنے پرائے کی تمیز کی اجازت نہیں ہے۔ عدل کے بارے میں مختلف آیات قرآنیہ میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ (النحل ۱۶:۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء ۴ : ۵۸)

بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو امانت والوں کے پاس پہنچا دو اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

ایک دوسری جگہ پر اسی سلسلہ میں مزید توضیح فرماتے ہوئے ارشاد کیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (النساء ۴ : ۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ، اگرچہ گواہی اپنے یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا محتاج تو اللہ ان دونوں کا زیادہ خیر خواہ ہے (تم سے) سو تم انصاف کرنے میں خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرو، اگر تم واقعات کو پورا بیان نہ کرو گے یا منہ پھیر لو گے تو بے شک اللہ تمہارے کام سے باخبر ہے۔

اسی طرح عدل پر قائم رہنے کے لیے راہِ حق سے انحراف کے دوسرے رخ کو سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدۃ ۵ : ۸)

اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف سے گواہی دینے کو کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قسم کی دشمنی تمھیں آمادہ نہ کرے اس پر کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو، یہ (انصاف کرنا) تقویٰ سے قریب تر ہے۔

عقوبت اور سرزنش کے وقت بھی عدل ہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے سزا بمقدار جرم ہی ہوگی اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے جیسے :

وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ ۴۲ :۴۰)

اور برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے۔

۳۔ ذاتی ذمہ داری

اس اصول میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان اپنے جرم میں تو خود ماخوذ ہو سکتا ہے لیکن دوسرے کے گناہ کی اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے :

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (فاطر ۳۵ : ۱۸)

اور قیامت کے دن کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۴۔ معاہدہ کی پابندی

کسی معاہدے کے بعد جو پابندی عائد ہوتی ہو اس کو پورا کرنا جیسے :

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدۃ ۵ : ۱)

اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو۔

۵۔ احکام میں آسانی

اللہ تعالیٰ نے احکام میں کسی قسم کی تنگی اور مشقت نہیں رکھی ہے۔ قرآن مجید کا یہ فیصلہ ہے کہ ان احکام سے انسانوں کو تکلیف پہنچانا مقصود نہیں ہے، بلکہ انہیں سہولت اور آسانی بہم پہنچانا ہے جس کی تائید آیات قرآنیہ سے ہوتی ہے جیسے کہ :

مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَکُمْ (المائدۃ ۵ : ۶)

اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے۔

ایک اور مقام پر اس طرح فرمایا :

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ ۲: ۱۸۵)

اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر مشکل نہیں چاہتا

۶۔ تعاون علی الخیر

یعنی ہر وہ کام جس میں امت کی بھلائی اور نفع ہو اس میں تعاون کرنا، معاملات میں خوبیوں کو اختیار کرنا اور برائیوں سے پرہیز کرنا۔ نہ خود اپنی ذات کو نقصان پہنچے اور نہ کسی دوسرے کو نقصان پہنچایا جائے جیسے کہ ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدۃ ۵ : ۲)

اور نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

۲۔ اجمالی احکام

یہ وہ مجمل احکام ہیں جن کے احوال اور صفات کو بہت اختصار سے بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔ البتہ صرف ان کے اصولوں کو بیان کیا جاتا ہے اور پھر نصیحت اور یاد دہانی کے طور پر بار بار تاکید و تکرار کی جاتی ہے۔ اس میں سب سے پہلے عبادات آتی ہیں جیسے نماز، روزہ اور حج۔ اسی طرح قصاص اور حلال و حرام وغیرہ۔ اگرچہ ان تمام کا ذکر اجمالاً بیان فرمایا گیا ہے مگر ان کی تفصیل ہمیں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضاحت کے ساتھ مل جاتی ہے۔

ا۔ زکوٰۃ

زکوٰۃ ایسا فریضہ ہے جو مسلمان کو احسان کا خوگر بناتا ہے۔ اس کے دل میں جذبہ رحم اور ہمدردی کو اجاگر کرتا ہے۔ بخل اور کنجوسی کی مذموم برائی اور عادت سے منزّہ کرتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا مالی اور سماجی حکم ہے جو عبادت کا درجہ رکھتا ہے اس سے غرباء و مساکین اور قرضداروں کی پریشانیاں دور اور ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ اسلام کے نظام زکوٰۃ میں جو فلسفہ پایا جاتا ہے اس میں نہ تو امراء کے لیے تکلیف ہے نہ غرباء کی حالت کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں سماج کی بہت سی خرابیاں ختم اور مشکلات دور ہوتی ہیں۔ دولت چند ہاتھوں میں جمع رہنے کی بجائے معاشرے کے ہاتھوں میں ایک محور کے گرد گردش کرتی رہتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبۃ ۹ : ۱۰۳)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے اموال سے زکوٰۃ لیں کہ اس سے آپ ان کو
(ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہیں۔

۲۔ عقوبات

دنیاوی سزائیں جن میں قصاص اور حدود کی سزائیں شامل ہیں، عقوبات کہلاتی ہیں۔ یہ وہ سزائیں ہیں جو سماجی اور انفرادی جرائم پر مقرر کی گئی ہیں۔ ان جرائم میں کبیرہ جرائم تین ہیں: اول جان کا ختم کرنا، دوم عزت و آبرو پر حملہ کرنا اور سوم لوگوں کے مال پر دست درازی کرنا۔ ان کے علاوہ ظلم و ستم اور تعدی کی جو صورتیں ہیں وہ متذکرہ بالا تین جرائم کبیرہ سے کم درجہ کی ہیں۔ اسلام عین دین

فطرت ہے لہٰذا اس کے قوانین و احکام بھی فطرت کے مطابق ہیں۔ بنا بریں کمتر درجہ کے جرائم کے لیے اس نے کوئی مخصوص سزائیں مقرر نہیں فرمائیں بلکہ حالات وضروریات کے مطابق ان کے لیے سزاؤں کا تعین ارباب حل وعقد اور مجتہدین عصر پر چھوڑ دیا ہے۔ ایسی سزاؤں کو شریعت اسلامی میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔ ان کا دائرہ بہت وسیع ہے لہٰذا اس سلسلہ میں منصف، حکام اور ائمہ مجتہدین عصر کے لیے وسعت رکھی گئی ہے۔

مثلاً قتل عمد کی سزا قصاص ہے، ماسوا اس صورت کے کہ مقتول کا وارث خون معاف کر دے یا خون بہا یعنی دیت لینے پر رضا مند ہو جائے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى (البقرۃ ۲:۱۷۸)

اے ایمان والو ! تم پر مقتولوں میں برابری فرض کی گئی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا اُوْلِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْن (البقرۃ ۲ : ۱۷۹)

اے عقلمندو ! اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

قرآن مجید میں قصاص کا حکم فرمایا گیا ہے مگر قصاص کی شرائط بیان نہیں کی گئیں، شرائط ہمیں سنت بیان کرتی ہے۔

۳۔ حلال وحرام

قرآن مجید نے خرید وفروخت کے احکام اجمالاً بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ کاروبار اور لین دین کی کون سی صورتیں جائز اور حلال اور کون سی ناجائز اور حرام ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرۃ ۲ : ۲۷۵)

اور اللہ نے خرید وفروخت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا

قرآن مجید خرید وفروخت کو حلال بتاتا ہے لیکن اس اجمال کی تفصیل سنت سے حاصل ہوتی ہے، جبکہ سود کو حرام ٹھہرایا۔ اس کی شرائط اور اقسام بھی ہمیں سنت سے حاصل ہوتی ہیں۔ قرآن مجید کے احکام کی یہ اجمالی صورت ہے اور اکثر وبیشتر ایسے ہی احکام اس میں بیان ہوئے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں عام قواعد واصول کی صورت میں احکام بیان فرمانے میں ایک حکمت مضمر ہے اور وہ یہ ہے کہ نئے نئے واقعات پیش آنے پر ان احکام میں توسیع کا امکان باقی رہے۔

۳۔ تفصیلی احکام

یہ ایسے احکام ہیں جن کی تفصیلات اور جزئیات بھی قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سنت نبوی کے بیان اور مجتہدین کے اجتہاد کی بہت کم گنجائش رکھی گئی ہے۔ یہ وہ احکام ہیں جن کے ذریعے اجتماعی اور قومی خرابیوں اور گناہوں سے روکا جاتا ہے۔ ان

سے جماعتی بھلائی اور سماجی و معاشرتی مفاد مقصود ہوتا ہے۔ ان احکام کے ذریعے افراد اور جماعت کی تشکیل اس نظریہ اور انداز سے کی گئی ہے کہ ان سب کو اجتماعی اور انفرادی عزت، اطمینان، تعاون، امن، فلاح، ترقی اور کامیابی کے اسباب مہیا ہوسکیں۔ یہ وہ احکام ہیں جو حالات وضرورت کے تحت نہیں بدلتے اور نہ اقوام کی تبدیلی سے ان میں کوئی تبدیلی آتی ہے۔ یہ احکام تعداد میں بہت کم ہیں۔ ان میں سے بعض میراث کی مقدار اور حصص کی تفصیلات کے متعلق ہیں۔ حدود اور تعزیرات میں بعض احکام سزاؤں کے بارے میں ہیں۔ اسی طرح نکاح، طلاق، زوجین کے درمیان لعان اور محرمات (وہ خواتین جن سے نکاح حرام ہے) اور اسی نوعیت کے دوسرے امور کے متعلق تفصیلی احکام ہیں۔

ازدواجی احکام

قرآن مجید نے عائلی زندگی کو بہت اہمیت دی ہے اور اس کی بیشتر تفصیلات و جزئیات کو صراحتاً بیان فرمایا ہے۔ یہاں ان میں سے چند نکات کی طرف نشاندہی کی جائے گی تاکہ تفصیلی احکام کی نوعیت سمجھ میں آسکے۔ جیسے ترغیب نکاح، مہر، وہ خواتین جن سے نکاح حرام ہے، اہل کتاب سے نکاح کا حلال قرار دینا، مشرکہ اور مشرک سے مسلم اور مسلمہ کا نکاح حرام قرار دینا، تعدد ازدواج، طلاق، خلع، اور عدت وغیرہ۔

۱۔ نکاح

ترغیب نکاح کے لیے ارشاد الٰہی ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَ يَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور ۲۴ : ۳۲)

اور تم میں سے جو مرد عورت مجرد ہوں اور جو تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے نیک ہوں ان کے نکاح کرادو۔

اسی طرح نکاح کے مہر کے بارے میں ذکر فرمایا:

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء۴ : ۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو۔

ایک مقام پر عائلی زندگی کے امن وسکون کی مصلحت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰىٓ اَلَّا تَعُوْلُوْا (النساء۴ : ۳)

اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی عورت (کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو۔
یہ زیادہ قریب ہے اس بات کے کہ تم ناانصافی نہ کرو۔

۔ طلاق

یہ عائلی زندگی کا ایک ناخوشگوار پہلو ہے۔ قرآن مجید نے جس طرح میاں بیوی میں اتحاد و اتفاق کا عمدہ نظام عطا کیا ہے اسی
رح اس نے ازواج کے مابین تفریق اور طلاق کے نظام کو بھی تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے جیسے :

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّآ

اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـًٔا اِلَّاۤ اَنۡ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ

عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ (البقرۃ ۲ :۲۲۹)

طلاق (رجعی) دو بار تک ہے۔ سو روکنا ہے اچھائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا ہے حسن سلوک کے ساتھ' اور تم کو جائز نہیں کہ اس میں سے جو تم ان عورتوں کو دے چکے ہو کچھ بھی واپس لو مگر جب کہ وہ دونوں ڈریں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ کچھ معاوضہ دے کر وہ عورت طلاق لے لے۔

مزید تفصیل ملاحظہ ہو : (سورۃ البقرۃ ۲ : ۲۳۰ تا ۲۳۲)

راثت

قرآن مجید میراث کا ایک عادلانہ اور مستحکم نظام پیش کرتا ہے۔ اس نے میراث کے حقدار صرف مرد ہی نہیں ٹھہرائے بلکہ
رتوں کو بھی حقدار بنایا ہے جیسے :

لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ

مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا (النساء ۴ : ۷)

جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ کر فوت ہوں' تھوڑا ہو یا کثیر' اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔ یہ حصے (اللہ) کے مقرر کیے ہوئے ہیں

يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا

تَرَكَ وَ اِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ (النساء ۴ : ۱۱)

اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ پھر اگر صرف عورتیں ہوں دو سے زیادہ تو ان سب کے لیے دو تہائی ہے جو کچھ اس (میت) نے چھوڑا اور اگر ایک ہی ہو تو اس کے لیے آدھا (ترکہ) ہے۔

عورت کا حصہ نصف ہونے میں جو مصلحت پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ مرد کی مالی ذمہ داریاں عورت سے زیادہ ہوتی ہیں۔ مرد کو

نکاح میں مہر ادا کرنا ہوتا ہے' اسے گھر کا بند وبست اور اہل وعیال کے نان ونفقہ کی ذمہ داری اٹھانا ہوتی ہے' جبکہ عورت غریب ہو دولت مند اسے ایسا فرض ادا کرنا نہیں ہوتا۔ شادی ہونے کی صورت میں عورت خاوند سے مہر حاصل کرتی ہے۔ اس کی جائیداد میں حصہ لیتی ہے اور باپ سے بھی حصہ لیتی ہے وہ چاہے تو اپنی خوشی سے صرف بھی کرسکتی ہے۔

میراث کی اس تقسیم پر مزید توضیح اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتے ہیں:

آبَآءُكُمْ وَ اَبْنَاؤُكُمْ لَاتَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعاً فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْماً حَكِيْماً

(النساء ۴ : ۱۱)

تم کو نہیں معلوم کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے۔ یہ (حصہ) اللہ کی طرف سے مقرر ہے بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اسی طرح والدین کی میراث' زوجین کی میراث' اخیافی بہن بھائی یعنی جن کی ماں ایک اور باپ مختلف ہوں اور علاتی بہن بھائیوں یعنی جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں' ان کی میراث اور حقیقی بہن بھائی کی میراث وغیرہ کو صراحت سے بیان فرمایا ہے۔

احکامِ قرآن کی دلالت

قرآن مجید چونکہ قطعی الثبوت ہے اور اس کا ہم تک اپنی اصل صورت میں پہنچنا ایک قطعی اور یقینی امر ہے لہٰذا اس امر میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ قرآن کے احکام بھی قطعی الثبوت ہیں۔ قرآن مجید ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچا ہے اور جو چیز تواتر کے ساتھ پہنچے اس کی صحتِ نقل کا حکم بھی قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ بنابریں اس کے احکام بھی قطعی اور یقینی ہوتے ہیں لیکن ہمارے سامنے قرآن مجید کے احکام کی دلالت دو طرح سے آتی ہے' قطعی اور ظنی۔

الف۔ قطعی دلالت

قرآن مجید کے احکام کی دلالت قطعی اس وقت ہوتی ہے جب لفظ میں صرف ایک ہی معنی کا احتمال پایا جائے۔ چنانچہ اس وقت حکم پر لفظ کی دلالت قطعی ہوگی جیسے ارشاد فرمایا :

وَلَكُمْ نِصْفُ مَاتَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ ۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (النساء ۴ : ۱۲)

اور تمہارے لیے تمہاری بیویوں کے ترکہ میں نصف ہے' اگر ان کی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کی اولاد ہو تو تمہارے لیے (ان تمہاری) بیویوں کے ترکہ میں سے چوتھا حصہ ہے بعد وصیت کے جو وہ کرگئی ہوں یا بعد ادائے قرض کے۔

اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد ہے :

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور ۲۴ : ۲)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

متذکرہ بالا آیات قرآنیہ میں نصف، الربع اور مائة کے الفاظ اپنے مفہوم میں قطعی الدلالت ہیں، لہٰذا ان کا مفہوم ایک ہی ہوگا، اس کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا اور یہ بھی کہ جو مفہوم مقصود ہے وہ آیت میں مذکور ہے۔

ب۔ ظنی دلالت

کسی لفظ میں ایک سے زیادہ معنی کا احتمال پایا جاتا ہو تو اس لفظ کی اپنی معنی پر دلالت ظنی ہوتی ہے۔ اس لفظ کی حکم پر دلالت بھی ظنی ہوگی۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ (البقرة ۲ : ۲۲۸)

اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

یہاں لفظ ''قــــروء'' میں احتمال پایا جاتا ہے کہ اس سے مراد طہر کے ایام ہوں اور یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ناپاکی کے ایام ہوں۔ اس احتمال کی بنا پر اس آیت کی دلالت اپنے حکم پر ظنی ہوگی۔ ظنی دلالت والے احکام میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے۔

احکام قرآن کا اسلوب

احکام بیان کرنے میں قرآن مجید کے مختلف اسلوب ہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت اور اس کا اعجاز اس کے دعوت وہدایت الی الحق ہونے کے بیّن ثبوت ہیں جو ایک بلند معیار اور ثقہ و مستند کتابِ احکام کے اسلوب کا تقاضا ہیں۔ قرآن مجید احکام کو اس انداز سے پیش کرتا ہے جس سے انسان میں اطاعت و فرمانبرداری کا شوق پیدا ہوتا ہے اور نافرمانی و سرکشی سے نفرت اور دوری پیدا ہوتی ہے۔ جو چیزیں فرض ہیں ان کو امر کے صیغہ میں بیان کرتا ہے جیسے کہ :

۱۔ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ (الطلاق ۶۵ : ۲)

اور اللہ کے لیے گواہی دو

بعض مقامات پر اس انداز میں فرمایا ہے :

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرة ۲ : ۱۸۳)

اے ایمان والو ! تم پر روزے فرض کیے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

۳۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى (البقرة ۲ : ۱۷۸)

تم پر مقتولوں (کے معاملے) میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔
لیکن بعض اوقات فرض اعمال کا ذکر فرما کر ان کے عاملین کو اچھے اجر و ثواب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جیسے :

۴۔ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ (النساء ۴ : ۱۳)
اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلے وہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

کبھی اعمالِ بد کے مرتکبین کو ایسا کرنے پر وعید اور اس کے نتیجہ میں ملنے والی سزا کو بیان فرمایا گیا ہے، جیسے :

۵۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (النساء ۴ : ۱۰)
بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور وہ جلد ہی دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے۔

کبھی حرام چیزوں کو صیغہ نہی میں بیان فرما کر اس کا ارتکاب اور عمل کرنے سے منع فرمایا گیا جیسے :

۶۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الانعام ۶ : ۱۵۱)
اور نہ اس جان کو قتل کرو جس کو اللہ نے حرام کیا مگر حق پر۔

نزولِ قرآن مجید کا مقصد ہدایت الٰہی کی تکمیل تھا۔ وہ تعلیمات جو اللہ تعالی نے اپنے کلام پاک کے ذریعہ لوگوں تک بوسی[لہ] اپنے رسول نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا فرمائیں، وہ اپنی تکمیل کے مرحلہ میں کتنی ہی نئی کیوں نہ ہوں، وہ تعلیما[ت] کلیتہً ان لوگوں کے لیے نئی نہیں تھیں۔ چونکہ ہدایت الٰہی کا حصہ باقی رہ گیا تھا اور اس کی تکمیل مقصود تھی اس لیے اللہ تعالی نے مختلف انداز میں ارشاد فرمایا۔ جیسے کہیں سیدھے سادھے الفاظ میں نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر کہا کہ انہیں نیکی کا [حکم] دیں، جیسے :

۷۔ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (الاعراف ۷ : ۱۵۷)
وہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں

اور کبھی انہیں برائی سے روکنے کے لیے صاف الفاظ میں بیان فرمایا کہ انہیں منکر سے روکیں تاکہ وہ برائی سے باز رہیں جیسے

۸۔ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (الاعراف ۷ : ۱۵۷)
اور وہ انہیں منکر سے روکتے ہیں

ان اندازِ تکلم سے اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ اللہ تعالی کے پیش نظر دعوت و ہدایت حق کو از سر نو یا ابتدائی صورت میں

نہیں تھا بلکہ بعض تعلیمات کی یاد دہانی مقصود تھی جن کو فراموش کر دیا گیا تھا مثلاً :

۹۔ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ (الاعراف ۷ : ۱۵۷)

اور پاکیزہ چیزیں لوگوں کے لیے حلال کرتے ہیں

۱۰۔ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف ۷ : ۱۵۷)

اور بُری چیزوں کو ان لوگوں کے لیے حرام کرتے ہیں

نادانی اور جہالت کے باعث لوگوں نے اپنے آپ کو غلط بندشوں میں جکڑ رکھا تھا۔ ان سے نجات دلانے کے لیے قرآن ایسا صاف سیدھا اور سادہ انداز بیان اپناتا ہے کہ اس کے سمجھنے کے لیے کسی قسم کی الجھن اور تردد کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی جیسے :

۱۱۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ (الاعراف ۷ : ۱۵۷)

اور ان سے ان کے بوجھ کو دور کرتے ہیں

۱۲۔ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف ۷ : ۱۵۷)

اور ان بیڑیوں کو دور کرتے ہیں جن میں وہ گرفتار تھے

یہاں متذکرہ بالا اسالیب کے پیش نظر یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ ہر وہ شخص جو قرآن مجید سے احکام مستنبط کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید میں ان مختلف اسالیب، کیفیات، بیان احکام اور ان چیزوں کو سمجھے جو نصوصِ قرآنی کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور یہ بھی کہ قرآن مجید کے کسی حکم میں کون سا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ فعل کو بغور سمجھے۔ قرآن مجید میں کبھی کسی فعل کی تعریف یا اس فعل کے عامل کی تعریف بیان کی گئی ہوتی ہے یا اس کے کرنے والے کے لیے اچھے ثواب یا وعید وعتاب کا ذکر ہوتا ہے تو پھر یہ تعین کرنے کے لیے کہ تمام حالتوں میں اس فعل کا حکم فرضیت کا ہوگا یا استحباب کا، اصولیین یعنی ماہرینِ اصولِ فقہ نے تفقه في الدين کے لیے چند مفید قواعد وضع کیے ہیں جو اس طرح ہیں :

امر ونہی کے صیغہ میں قرآن مجید کے بنیادی اصول

قرآن مجید کی روح اور اصول وکلیات میں غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ احکام کا استخراج کرنے میں یہ اصول کس قدر اہم ہیں آوامر ونواہی کے صیغوں میں بنیادی اصول کی ترتیب کچھ اس طرح ہے :

۱۔ عدم حرج

عربی زبان میں حرج کے معنی تنگی کے ہیں۔ مفسرین نے حرج کے معنی ضیق (یعنی تنگی) ہی بیان کیے ہیں (۱۵)۔

۱۵۔ الجامع الاحکام القرآن ۶/ ۱۰۸، تفسیر بحر العلوم ۱/ ۴۲۰

سمرقندی

اصولیین کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ احکام وقوانین ایسے ہوں جن میں آسانی اور سہولت ملحوظ رکھی گئی ہو۔ ایسی تنگی اور دشواری نہ ہو جو انسان کی برداشت سے باہر ہو۔ قرآن مجید میں احکام الٰہی کے نزول کے لیے یہ امر طے شدہ ہے کہ ان کے ذریعہ کسی کو تکلیف پہنچانا نہیں ہے بلکہ عباد اللہ کو سہولت بہم پہنچانا اور ان کی بھلائی مقصود ہے۔ اس اصول کے تحت شارع نے خود فرمایا ہے :

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرة ۲ :۱۸۵)

اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر مشکل نہیں چاہتا

یہ ایک ایسی دلیل ہے جس کے ذریعے شریعت اسلامی میں عدم حرج کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ شارع نے ارشاد فرمایا ہے :

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ (المائدة ۵ : ۶)

اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے

اسی اصول کے تحت ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا :

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج ۲۲ : ۷۸)

اور تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت جو ارشاد فرمایا اس کا مفہوم ومقصود بھی یہی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

يسرا و لا تعسرا و بشرا و لا تنفرا و تطاوعا (۱۶)

تم دونوں آسانی کرنا اور مشکل میں نہ ڈالنا، رغبت دلانا اور متنفر نہ کرنا اور موافقت کے جذبہ کو ابھارنا

اسی بات کی صراحت ایک دوسری حدیث سے اس طرح ہوتی ہے :

احب الدين الى الله الحنيفية السمحة (۱۷)

اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند آسان دین حنیف ہے

اس اصول کی واضح اور صریح توضیح وتشریح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے :

لاضرر و لا ضرار فى الاسلام (۱۸)

۱۶۔ صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب امر الوالی اذا وجه امیرین الی موضع......

۱۷۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر

۱۸۔ سنن ابن ماجۃ، کتاب الاحکام، باب من بنی فی حقه مایضر بجاره

اسلام میں نہ تو کسی کو تکلیف دینا ہے اور نہ خود تکلیف اٹھانا ہے

ان تمام متذکرہ بالا آیات و احادیث کی روشنی میں ہم یہ اخذ کرتے ہیں کہ انسان مکلّف یعنی ذمہ دار ہے، مگر اس کے لیے تشریع اسلامی میں بہت سہولت رکھی گئی ہے تا کہ وہ تنگی اور مشقت میں نہ پڑے انسان اگرچہ آزاد ہے مگر مکلّف بھی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو زندگی اصول وضوابط سے آزاد ہو کر بے ہنگم اور بے ضابطہ ہو کر رہ جاتی جس سے تخلیق کائنات اور زندگی کا حسن اور مقصد فوت ہو کر رہ جاتا۔

۲۔ تیسیر (آسانی)

قرآن مجید کا یہ فیصلہ ہے کہ اس کے اصول وقوانین سے کسی کو تکلیف پہنچانا قطعی مقصود نہیں ہے۔ قوانین میں جس قدر تنگی اور دشواری ہوگی اسی قدر تکلیف بھی زیادہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد اپنے بندوں کو سہولت پہنچانا اور ان سے بھلائی کرنا ہے جو عدم حرج کا لازمی نتیجہ ہے کیونکہ کثرت تکلیف میں تنگیاں ہیں۔ قرآن مجید میں جو اوامر ونواہی مذکور ہیں ان میں اسی حکمت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جب کسی عمل میں تنگی دیکھی تو اس حکم کو اٹھا لیا اور اس کی جگہ آسان حکم نازل فرمایا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر پچاس نمازیں فرض تھیں لیکن جب ان کی ادائیگی اپنے بندوں پر گراں پائی تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف فرمائی اور امت مسلمہ پر نمازوں کی تعداد پانچ کر دی تا کہ عمل میں استقامت اور دوام پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا (النساء ۴ : ۲۸)

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے

قرآن مجید بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بھی کچھ اس طرح بیان فرماتا ہے :

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف ۷: ۱۵۷)

اور ان سے ان کے بوجھ اور طوق جو ان پر تھے اتاریں گے

اسی اصول اور مقصد کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم و ہدایت فرمائی ہے کہ ہم اس کی دعا بھی کریں جس کی صراحت ہمیں قرآن مجید کی حسب ذیل آیت سے ہوتی ہے :

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (البقرة ۲ : ۲۸۶)

اے ہمارے رب ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا کہ تو نے اس کو ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا اے ہمارے رب ! ہم سے نہ اٹھوا (وہ بوجھ) جس کی ہم میں طاقت نہیں

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفساً اِلَّا وُسْعَھَا (البقرۃ ۲ : ۲۸۶)

اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر ان کی وسعت کے مطابق

اسی امر کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام میں اختیار رکھتے تھے تو آپ دو کاموں میں سے آسان کام کو اپنے لیے اختیار فرماتے :

ماخُیِّر رسول الله صلی الله علیه وسلم بین امرین قط
الا اخذ ایسر هما مما لم یکن اثما (۱۹)

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دو کاموں سے ایک کام کو چننا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم
ان میں سے آسان کو اختیار کر لیتے جو گناہ نہ ہوتا

ضرورت کے تحت محرمات کا مباح قرار دینا' پانی نہ ہونے کی صورت میں یا کسی مرض کے باعث وضو کی جگہ تیمم کا جائز ٹھہرانا وغیرہ اسی تیسّر کے اصول کے تحت آتے ہیں ۔ یہ حکمت محض اللہ کے بندوں کی آسانی کے لیے رکھی گئی ہے ۔ اس حکمت میں پیدا شدہ کسی ابہام کو خود شارع اس طرح دور فرماتے ہیں :

یَـاَ یُّهَـا الَّـذِیْـنَ اٰمَـنُـوْا لَا تَسْـاَلُـوْا عَـنْ اَشْیَـآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ وَ اِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَـا حِیْنَ یُـنَـزَّلُ الْـقُـرْاٰنُ تُبْدَ لَـکُـمْ عَـفَـا الـلّٰـهُ عَـنْهَـا وَالـلّٰـهُ غَـفُـوْرٌ حَـلِیْـمٌ . قَـدْ سَاَ لَهَـا قَوْمٌ مِّن قَبْلِکُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْ ا بِهَا کَافِرِیْنَ (المائدۃ ۵ : ۱۰۱'۱۰۲)

اے ایمان والو ! ان چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو جو اگر تمہارے سامنے ظاہر کی جائیں تو تم کو بُری لگیں اور اگر تم ان کے متعلق پوچھو گے جس وقت کہ قرآن نازل کیا جاتا ہے تو تمہارے سامنے ظاہر کی جائیں گی ۔ اللہ نے ان کو معاف کر دیا ۔ اللہ معاف کرنے والا تحمل والا ہے ۔ تم سے پہلے ایک قوم نے (ایسی باتیں) پوچھی تھیں پھر وہ ان سے انکار کرنے لگے ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مقرر فرمائے ہیں ان کے متعلق کثرت سوال کے بجائے خاموشی اختیار کرنی چاہیے تا کہ حدود کا ضیاع نہ ہو اور نہ ہی ان سے تجاوز کیا جائے اگر بعض چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے بغیر بھولے اور محض مہربانی فرماتے ہوئے خاموشی اختیار فرمائی ہے تو ان کے متعلق ٹوہ لگانے سے اجتناب ہی بہتر ہے ۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے :

۱۹۔ صحیح بخاری' کتاب الآداب' باب قول النبی صلی الله علیه وسلم یسروا ولا تعسروا ۳/۴۰۰

انما هلك من كان قبلكم بسؤالهم و اختلافهم على انبيائهم (۲۰)

بے شک وہ جو تم سے پہلے تھے اپنے انبیاء سے سوال اور اختلاف کے باعث ہلاک ہوئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل فرمان سے اس کی مزید توضیح ہوتی ہے :

ان الله فرض فرائض فلا تضيعوها وحد حدودا فلا تعتدوها و حرم اشياء فلا تنتهكوها و مكث عن اشياء رحمة لكم من غير نسيان فلا تبعثوا عنها (۲۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر کیے ہیں انہیں ضائع مت کرو اور حدود مقرر کر دیئے پس ان سے آگے مت نکلو اور جو چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں ان کو بے پردہ مت کرو اور جن چیزوں کو بغیر بھولے تم پر مہربانی کرتے ہوئے بیان نہیں کیا ان کی ٹوہ مت لگاؤ۔

اس اصول سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تیسّر یعنی آسانی اور قلتِ تکلیف کو بنیادی اصول بناتے ہوئے اپنے بندوں کے لیے قوانین و احکام مقرر فرمائے ہیں تاکہ لوگ دین الٰہی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور اس پر عمل پیرا ہونے میں تنگی اور مشقت مانع و رکاوٹ نہ بنے۔

۳۔ تدریج

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے نوازے گئے تو اس وقت اہل عرب اپنی مخصوص عادات میں پختہ ہو چکے تھے۔ ان کے غلط اعتقادات ان کی ارواح وقلوب میں راسخ ہو چکے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لائے وہ بقاءِ انسانی کے لیے بہت عمدہ اور تکوینِ امت میں کوئی ضرر نہیں رکھتا ہے۔ اگر کہیں کوئی دقت یا تنگی شارع کو معلوم ہوئی تو اس نے اس تنگی کو دور کرنے کے لیے جو حکمت آمیز اصول اپنایا وہ آہستہ آہستہ ہر ایک امر و نہی میں تکلیف و دقت کو دور فرما کر اس حکم کی تکمیل کرنا تھا' تاکہ عباد اللہ کی مصالح اتمام کو پہنچیں اور ان میں بھلائی پھیلے اور دین الٰہی کو آسانی کے ساتھ مضبوطی سے پکڑیں۔ اس اصول کے پیش نظر شارع نے اپنے اصول و احکام تیئیس (۲۳) سال کے طویل عرصہ میں حالات و مواقع کی مناسبت اور تقاضوں کے لحاظ سے بتدریج نازل فرمائے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء میں مجمل احکام عقائد و عبادات کے متعلق نازل ہوئے' پھر جب دین اسلام قوت پکڑ گیا اور لوگ اس پر عمل کرنے لگے تو وقت کی ضرورت کے پیش نظر معاشرتی و سماجی احکام یعنی مفصل احکام نازل ہوئے' پھر اجتماعی وسعت کے مطابق قومی اور جماعتی زندگی کے اوامر و نواہی بیان کیے گئے۔ یوں احکام اوامر و نواہی بھی بتدریج ارتقائی منازل طے کرتے گئے۔ یہاں تک کہ اوامر (نماز اور روزہ

۲۰۔ صحیح بخاری' کتاب الاعتصام' باب الاقتداء بسنن رسول صلی اللہ علیہ وسلم

۲۱۔ مشکوٰۃ' کتاب الاعتصام' بحوالہ دارقطنی

وغیرہ)اورنواہی(شراب اور جوئے وغیرہ)کے لیے جو انداز اپنایا گیا اس سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ کوئی قانون کلی طور پر یکبارگی نازل یا رائج نہیں کیا جا سکتا بلکہ بتدریج نافذ کیا جا سکتا ہے اور یہ کہ صرف وہی احکام کامیاب ہو سکتے ہیں جو انسانی فطرت، تربیت اور رجحان کے مطابق ہوں۔تشریع اسلامی کے اس بنیادی اصول میں ایسی حکمت پنہاں ہے کہ ابتداء میں احکام نرم اور کم ہونے چاہئیں تاکہ اس کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہ آئے اور پھر ذہنی فضا کے ہموار ہونے پر ماحول میں تقاضائے حالات کے مطابق زندگی کے مختلف گوشوں سے متعلق اوامر و نواہی کا نفاذ کیا جائے۔

یہاں تشریع اسلامی کا یہ اصول جس انداز سے جوئے اور شراب کے بارے میں نازل ہوا ہے، اسے بطور مثال کسی قدر اختصار سے پیش کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کس طرح حکیمانہ طرز استدلال سے بتدریج ہدایات عطا فرمائیں کہ قلوب و اذہان اس حکم کے ماننے میں پس و پیش کے قابل نہیں رہے اور سر تسلیم خم کرنے میں بغیر تردد راضی ہو گئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے ابتدائے اسلام میں شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں اس طرح ارشاد فرمایا:

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرة ۲ :۲۱۹)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

اگر بغیر تفکر کے اس کلام کا جائزہ لیا جائے تو اچٹتی نگاہ میں یہ محسوس کیا جا سکتا ہے کہ نہایت حکمت آمیز لہجہ میں فوائد و ضرر دونوں کو بیان فرما دیا تاکہ عقل سلیم رکھنے والے خود ہی فیصلہ کریں کہ جس کام میں نفع کی بجائے گناہ زیادہ ہے تو وہ حلال کیونکر ہو سکتا ہے۔یہ فہم و ادراک پیدا کرنے کے بعد نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے روکا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء ۴ :۴۳)

اے ایمان والو! نماز کے نزدیک نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشہ میں مست ہو جب تک کہ تم نہ سمجھو جو تم کہتے ہو۔

یہاں اب نہی کی صورت میں حکم دیا گیا ہے کیونکہ اس سے قبل عقل کو یہ ادراک کروا دیا گیا ہے کہ شراب کیا چیز ہے۔لہٰذا اب واضح طور پر منع فرما دیا گیا، پھر اس کے بعد قطعی طور پر کسی بھی حالت اور وقت میں شراب سے منع فرما دیا گیا، ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدة ۵ : ۹۰)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور قرعہ کے تیر محض پلیدی ہے شیطان کے کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو۔

اس تدریجی اصول سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ تمام قرآن مجید میں شارع نے نہایت حکیمانہ انداز استدلال سے بتدریج ہدایات و احکام نازل فرمائے تاکہ اس کے بندوں میں قبول دین میں کجی نہ ہو اور وہ برضا و رغبت کلی دلجمعی سے دین اسلام کو قبول کریں اور اسے مضبوطی سے تھامیں۔

نسخ

لغوی طور پر نسخ کے کئی معانی ہیں مثلاً:

۱۔ ازالہ : ایک چیز کو دوسری چیز کے ذریعے زائل کرنا
۲۔ نقل : ایک چیز کو دوسری جگہ منتقل کرنا
۳۔ رفع : کسی چیز کا اٹھا رکھنا
۴۔ ابطال : ایک چیز کا دوسری کو باطل قرار دینا

بعض اصولیین مثلاً امام غزالیؒ، قاضی ابوبکر باقلانیؒ اور قاضی محبّ اللہ بہاریؒ وغیرہ نے نسخ کے معانی ازالہ اور نقل کے لیے ہیں (۲۲)۔ جبکہ علامہ ابوالحسین البصریؒ کے نزدیک نسخ ازالہ کے معنی میں حقیقت اور نقل کے معنی میں مجاز ہے۔ علامہ آمدیؒ نے اسے لفظی نزاع قرار دیا ہے (۲۳)۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے نسخ کا لغوی معنی ازالہ کیا ہے (۲۴)۔ اصطلاح میں نسخ کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ علامہ قتادہ بن دعامہ السدوسیؒ (م ۱۱۷ھ) کے نزدیک نسخ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ جب کسی آیت کو عام سے خاص کیا جائے یا کسی آیت کی تفسیر یا تفصیل بیان کی گئی ہو یا کسی مطلق آیت کو مقید کیا گیا ہو تو نسخ واقع ہو جاتا ہے (۲۵)۔

۲۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نسخ کا مطلب ایک فرض کو چھوڑ کر دوسرے فرض کی پیروی کرنا ہے۔ ان کے ہاں کوئی بھی حکم اس وقت تک منسوخ نہیں ہو سکتا جب تک اس کی جگہ دوسرا حکم نہ لے لے (۲۶)۔

۳۔ علامہ جصاصؒ کے نزدیک نسخ سے مراد کسی حکم کی مدت کا بیان ہے۔ یعنی ایک حکم کی مدت کا ایسا بیان جس سے ظاہر ہو کہ یہ حکم

۲۲۔ الآمدی: الاحکام فی اصول الاحکام ۲/۱۶۰۔ ارشاد الفحول ص ۱۸۲۔ مسلم الثبوت ص ۱۶۲
۲۳۔ الآمدی: الاحکام فی اصول الاحکام ۲/۱۶۱
۲۴۔ المصفیٰ فی احادیث الموطا ۲/۵۷
۲۵۔ کتاب الناسخ والمنسوخ فی کتاب اللہ تعالیٰ ۹/۴۷۹
۲۶۔ الرسالہ ص ۱۰۹

ہمیشہ کے لیے ہوگا مگر دوسرا حکم آتے ہی یہ واضح ہو کہ پہلا حکم ایک خاص مدت کے لیے تھا(۲۷)۔

۴۔ علامہ ابن الحاجبؒ کہتے ہیں کہ نسخ سے مراد کسی شرعی دلیل کی بنیاد پر کسی شرعی حکم کو ختم کر دینا ہے(۲۸)۔

۵۔ امام طبریؒ کے ہاں نسخ کا معنی یہ ہے کہ ایک چیز حلال ہو کچھ مدت بعد اس کو حرام (منع) کر دیا جائے یا اس کے برعکس۔ نسخ کا تعلق اوامر و نواہی سے ہوتا ہے، اخبار سے نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کا کوئی حکم بھی اس وقت تک منسوخ نہ سمجھا جائے جب تک دونوں میں مطابقت ممکن ہو اور جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ ایک حکم ناسخ ہے اور دوسرا منسوخ(۲۹)۔

اصولیین کے ہاں نسخ کی تعریفات میں بنیادی اختلاف یہ ہے کہ نسخ سے مراد رفع حکم یعنی حکم کا ختم ہو جانا ہے یا حکم کی مدت ختم ہو جانے کا بیان ہے۔

جوازِ نسخ :

نسخ کے جواز میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل دو آیات پیش کی جاتی ہیں :

۱۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَانَاْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْمِثْلِهَا (البقرۃ ۲ : ۱۰۶)

ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے یا فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔

۲۔ وَ إِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ (النحل ۱۶: ۱۰۱)

اور جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں

متاخرین یعنی بعد کے علمائے اصول بیان انتہائے مدتِ حکم کے معنی میں لیتے ہیں۔ متقدمین یعنی شروع کے علمائے اصول نسخ کو مطلقاً ازالہ کے لیے استعمال کرتے ہیں خواہ وہ کسی بھی طریقے پر ہو۔ قاضی محب اللہ بہاریؒ نسخ کی اصطلاحی تعریف کے متعلق جو کچھ لکھتے ہیں اس سے بھی یہی اخذ ہوتا ہے کہ اصطلاحی معنی ان کے نزدیک بیان انتہائے مدتِ حکم ہے۔

نسخ کی حکمت

شریعت اسلامی میں نسخ عملاً واقع ہوا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے جو حکمت مضمر کر رکھی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے بندوں سے رعایت برتنا چاہتے ہیں۔ تشریعی احکام کا اصل مقصد عباد اللہ کے مصالح کو پورا کرنا ہے۔ ان مصالح کو پیش نظر

۲۷۔ الجصاص، احکام القرآن ۱/ ۶۷

۲۸۔ مسلّم الثبوت ص ۱۶۲

۲۹۔ جامع البیان ۲/ ۴۷۲، ۸/ ۱۲۔

رکھتے ہوئے تشریع اسلامی کا بغور تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دین اسلام کے ابتدائی ایام میں مسلمانوں پر صبح و شام (یعنی دن بھر میں) صرف دو نمازیں فرض ہوئی تھیں اور ہر نماز میں دو رکعات فرض تھیں۔ بالآخر جب نفس ان کا عادی ہو گیا تو وقت اور حالات کی مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے پانچ نمازیں فرض ہوئیں اور ان کی رکعات بھی مختلف مقرر کر دی گئیں۔ یہ سب اس وقت ہوا جب نفس ان دو نمازوں اور دو دو رکعات کا عادی ہو چکا تھا۔

قرآن مجید تیئیس (۲۳) سال کی طویل مدت میں بتدریج نازل ہوا۔ اس کے احکام بھی وقتی اور معاشرتی حالات و مصالح کی مناسبت سے بتدریج نازل ہوتے رہے کسی حکم کا کلیتہً ختم کر دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ انسانی مصالح کے پیشِ نظر حکم کی روح اور مقصد برقرار رکھتے ہوئے اس میں توسیع و تخفیف اور تعمیم و تخصیص کی صورت ہی مراد لی جا سکتی ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ آخری حکم ابتدائی حکم کو منسوخ نہیں بلکہ اسے مکمل کرتا ہے۔ یوں ایک کے بعد دوسرا تکمیلی حکم نازل ہوتا ہے۔ دین اسلام میں توسّع پایا جاتا ہے۔ اگر یہ حکمت تشریع اسلامی میں نہ ہوتی تو اس تشریع اسلامی میں پایا جانے والے توسّع، لچک اور اس کی عملی استعداد جس نے اس کو ہر نئے دور اور حالات و مسائل کا حل پیش کیا ہے، یقیناً فوت ہو جائے۔

حقیقی نسخ مراد نہ لینے کی وجہ محض یہی ہے کہ ایک دور میں معاشرتی حالات اور وقتی مصالح کی بنا پر اگر کسی عمومی حکم میں تخصیص پیدا کر لی گئی مگر کچھ وقت گزرنے کے بعد معاشرتی زندگی سابقہ نہج پر پھر پلٹ آئی تو لازمی طور پر اس حکم میں عمومیت بھی پلٹ آئے گی۔ نسخ اگر حقیقی ہوتا تو شرائع ما قبل یعنی سابقہ انبیاءکرام کی شریعتوں کی طرح کبھی اس کی واپسی کا سوال پیدا نہ ہوتا۔ اس اصول کی حقیقی روح، حکمت اور مقصد کو دیکھا جائے تو یہ توسّع جو اللہ تعالیٰ نے تشریع اسلامی کو عطا کر رکھی ہے، بہت سے معاشرتی اور سماجی زندگی کے مسائل کے لیے ایک بڑا عطیہ ہے جس کے ذریعے قانون کو معاشرتی حالات اور وقت کے مطابق ڈھالنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اس اصول کی حکمت کو سمجھنے کے لیے ہمیں کسی مریض کے لیے ایک ماہر معالج کے لکھے ہوئے نسخہ کو بغور پرکھنے سے بخوبی سمجھ آ سکتی ہے۔ علالت کے دوران جب مریض کی حالت اتفاقیہ طور پر دِگرگوں ہوتی ہے تو وہ ادویات بدل دیتا ہے جو مرض کی شدت اور مریض کی سنجیدہ حالت کے مطابق ہوتی ہیں، جب شدتِ مرض میں آفاقہ ہوتا ہے تو پھر پہلے والی ادویہ تجویز کرتا ہے۔

نسخ کی اقسام

علامہ ابن سلامہؒ (پانچویں صدی ہجری کے مشہور عالم) نے نسخ کی تین اقسام گنوائی ہیں (۳۰) جن کے مطابق ایک نسخ میں الفاظ اور حکم دونوں منسوخ متصور ہوتے ہیں۔ دوسرا نسخ وہ ہے جس میں الفاظ منسوخ ہو جائیں مگر حکم باقی رہتا ہے۔ تیسرا نسخ وہ ہے جس میں حکم منسوخ ہو جائے اور الفاظ باقی رہیں۔ علماء کے نزدیک نسخ عموماً اس تیسری قسم میں پایا جاتا ہے۔

۳۰۔ ابن سلامہ، کتاب الناسخ والمنسوخ، مقدمہ

منسوخ آیات کی تعداد

قرآن مجید کی منسوخ آیات کی تعداد کے سلسلہ میں مفسرین کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف درحقیقت متقدمین و متاخرین کی نسخ کی تعریف کے اختلاف پر مبنی ہے۔ متقدمین کے ہاں منسوخ آیات کی تعداد تقریباً پانچ سو تھی مگر علامہ سیوطیؒ نے نسخ کے حقیقی مفہوم کے لحاظ سے ان کی تعداد بیس بیان کی ہے (۳۱)۔ شاہ ولی اللہؒ نے ان میں سے پندرہ آیات کی تفسیر و تاویل کر کے ثابت کیا کہ وہ منسوخ نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد صرف پانچ ہے (۳۲)۔ لیکن ان سے ماقبل قاضی محب اللہ بہاریؒ کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد صرف تین ہے (۳۳)۔ ماضی میں قرآنی آیات میں نسخ ثابت کرنے کے لیے منسوخ آیات کی تعداد بھی بڑھتی رہی، لیکن جب سے ان آیات کی تعداد تین تک رہ گئی ہے اس کے بعد اس تعداد کو بڑھانے کی کوشش غالباً کسی نے نہیں کی۔

انکارِ نسخ

بعض علماء نسخ کا انکار کرتے ہیں۔ نسخ کا انکار کرنے والوں میں سب سے پہلے عالم ابو مسلم اصفہانیؒ ہیں۔ ان کے اس مسلک کے متعلق مختلف روایات پائی جاتی ہیں جو اس طرح ہیں :

۱۔ وہ سماعی طور پر وقوعِ نسخ کے مطلقاً منکر ہیں

۲۔ ایک شریعت میں وقوعِ نسخ کے منکر ہیں

۳۔ صرف قرآن میں نسخ کے منکر ہیں

ان کے متعلق آخری روایت کو صحیح تر کہا جاتا ہے۔ علامہ سبکیؒ اس مذہبِ فکر کے حاملین کے متعلق فرماتے ہیں کہ جسے ہم نسخ کہتے ہیں، ابو مسلم اس کے وقوع کے منکر نہیں، وہ ان کے نزدیک نسخ کی بجائے تخصیص ہے۔

عصرِ حاضر کے ڈاکٹر احمد حسنؒ قرآن میں نسخ کے خلاف لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نسخ کا نظریہ قرآن مجید کی ابدیت کے خلاف جاتا ہے، کیونکہ اس نظریہ کے مطابق منسوخ آیات منسوخ ہونے سے پہلے قابلِ عمل تھیں لیکن نسخ واقع ہو جانے کے باعث ان کی ابدیت ختم ہو گئی۔ اب وہ آیات قرآن میں ہوتے ہوئے بھی ناقابلِ عمل ہو کر رہ گئی ہیں۔ یہ آیات جب تک قابلِ عمل نہ ہوں ان کا محض قرآن میں موجود ہونا قرآن کی ابدیت کے خلاف ہے۔ قرآن کی ابدیت کے تصور کا مطلب یہ ہے اس کے تمام قوانین ہمیشہ کے لیے امتِ مسلمہ کے لیے قابلِ عمل رہیں۔ لہٰذا ہمیں نسخ کے نظریہ کو تسلیم کرنے کی کوئی عقلی توجیہ نظر نہیں آتی جس میں قرآن کی آیات کو

۳۱۔ الاتقان : ۲/۲۳

۳۲۔ الفوز الکبیر ص ۱۵، ۱۶

۳۳۔ مسلّم الثبوت ص ۱۷۰

منسوخ تصور کیا جائے (۳۴)۔

مسئلہ نسخ سے مطلقاً انکار ممکن نہیں ۔صحابہ کرامؓ اور تابعین کے حلقوں میں یہ جانا پہچانا مسئلہ تھا۔حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ ایک واعظ سے پوچھا کہ کیا تم ناسخ ومنسوخ کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔اس نے نفی میں جواب دیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا :

هلكت و اهلكت (۳۵)

یعنی تم خود بھی ہلاک ہوئے اور تم نے دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔

مولانا محمد حنیف ندویؒ لکھتے ہیں :

> ''اصولِ تشریع کے اعتبار سے بنیادی نقطہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے زیادہ تر اپنی تعلیمات کی اساس وضوح، استحکام اور استواری پر رکھی ہے۔اور اگر کہیں کہیں نسخ واقع ہوا ہے تو اس بنا پر کہ انسانی معاشرے میں تبدیلیوں کی وجہ سے خلا نہ پیدا ہونے پائے۔اس لیے ایسے احکام ومسائل سے اس کو بہرحال بہرہ مند رکھا جائے جو اس مرحلے میں ترتیب کے نقطہ نگاہ سے ضروری ہوں۔اور یہ بات قرآن حکیم ہی کے ساتھ خاص نہیں، ہر وہ قانون اور دستور جو معقول اور متحرک ہو، اس میں سابق ولاحق نوع کے احکام وتصریحات کا ہونا لازمی ہے (۳۶)''۔

نوٹ : یہ واضح رہے کہ واقعات، قصص، قطعی وحسّی امور اور وہ احکام جو دائمی اور ابدی ہیں، ان میں نسخ واقع نہیں ہوا۔

شانِ نزول

شانِ نزول سے مراد کوئی خاص واقعہ نہیں ہوتا ہے بلکہ اس سے وہ حالت اور کیفیت مراد ہوتی ہے جس میں کوئی آیت نازل ہو۔ لہٰذا شانِ نزول کے سلسلہ میں جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں ان سے مراد کوئی مخصوص واقعہ نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کی حالت اور کیفیت مقصود ہوتی ہے جس کے تحت وہ کلام نازل ہوا۔ یہ حالات وواقعات معاشرہ کو درپیش مسائل کے سمجھنے میں دلالت اور رہنمائی کرتے ہیں اور احکام حاصل کرنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ واقعات کی دلالت ورہنمائی اس حد تک معتبر سمجھی جائے گی جس حد تک ان کی تائید قرآن مجید کی ان تصریحات سے ہوتی ہو جن کے متعلق یہ واقعات بیان کیے گئے ہیں۔اگر ان واقعات سے یہ صراحت ملتی ہو کہ یہ واقعات قرآن مجید کی آیات کے الفاظ ومعانی کے برعکس دلالت کرتے ہیں اور انہیں معتبر مان لینے سے کسی اصول یا کلیہ کے متاثر ہونے کا خدشہ ہے تو ان واقعات کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔البتہ قرآن مجید کی آیات ہی سے جس کی

۳۴۔ The Early Development of Islamic Jurisprudence, pages 77-78.

۳۵۔ مطالعہ قرآن ص ۲۵۲

۳۶۔ حوالہ بالا ص ۲۵۷۔۲۵۸

ہوتی تھی۔ تاہم اس کے احکام اور فیصلے اپنے قبیلہ میں بھی رائے عامہ کے تحت نافذ العمل ہوتے تھے۔ بسا اوقات مجرم بااثر اور صاحبِ ثروت خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس کی بنا پر اس کے اہل خاندان اسے سردار کے حوالے کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ اس صورت میں اس خاندان کو اپنا قبیلہ چھوڑ کر احلاف (معاہد دوستوں) میں شامل ہونا پڑتا تھا۔ مخالف قبیلہ میں پناہ گزین ہونے کی صورت میں اسے دخیل کہتے تھے۔

مکہ مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ زیارت گاہ خلائق اور مختلف تمدنی اور ملکی تقاریب کا مرکز تھا۔ اس کے حالات دیگر مقامات سے کچھ اس نہج پر استوار ہو رہے تھے کہ وہاں باضابطہ حکومت قائم ہو سکے۔ اس کی ذمہ داریاں بارہ ذی اثر قبائل (خاندانوں) میں منقسم تھیں۔ ان میں سے ایک قبیلہ تنازعات کا تصفیہ کرتا تھا۔ اس کام کو اس قبیلہ کا سردار انجام دیتا تھا۔

کرۂ ارض پر کوئی قانون اپنے دور کے رسم و رواج اور اخلاق و عادات سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہا۔ یہ لازم تھا کہ عرب کے معاشرتی اور سماجی حالات سے متاثر ہوئے بغیر تشریع اسلامی بھی وجود میں نہ آئے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اصول و قوانین کے ترک و قبول میں دو چیزیں سامنے رکھی جاتی ہیں۔ اول ترک اور قبول کے وقت معاشرہ کی حالت اور اہل معاشرہ کی ذہنی و شعوری سطح کا صحیح صحیح اندازہ لگایا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جن اصول و قوانین یا رسوم کو قبول کیا جاتا ہے ان کو ہدایت الٰہی کے مطابق بدلا جاتا ہے تاکہ وہ قانون الٰہی پر پورا اُتریں۔ یوں بہت سے اصول و قوانین اور رسوم و رواج جو اس معاشرہ میں رائج ہوتے ہیں' نظام الٰہی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب معاشرہ کی حالت اگرچہ اپنے اندر برائیاں لیے ہوئی تھی مگر دین ابراہیمی کی کہیں نہ کہیں کوئی صورت باقی تھی جو اس خطہ ارض کو ایک مخصوص قبائلی اور خانہ بدوشی نظام دیئے ہوئے تھی۔ یہاں بھی زندگی کے کچھ حدود و قیود تھے جو کچھ اس طرح تھے:

۱۔ مدعی کو دعویٰ کے ثبوت کے لیے گواہ پیش کرنے ہوتے تھے اور مدعا علیہ کو قسم اٹھانی ہوتی تھی۔ قسم کی بڑی توقیر و تعظیم کی جاتی تھی جو سچ بولنے کی طرف سمجھی جاتی تھی۔ قسم کے لیے ''حطیم'' خانہ کعبہ شریف کے اندر جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔ قسم کھانے کے بعد اس کے قابلِ ثقہ ہونے کے اظہار کے لیے اپنے ہتھیار' نعلین اور چابک وغیرہ زمین پر ڈال دیے جاتے تھے۔

۲۔ جرائم کی سزا بدلہ (انتقام) تھا۔ قتل کی صورت میں جان یا دیت کی سزا تھی۔ اگر کسی ادنیٰ قبیلہ کا کوئی شخص اپنے سے اعلیٰ تر قبیلہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو اعلیٰ قبیلے کے لوگ ایک کی بجائے دو آدمیوں' عورت کے بدلے میں مرد اور غلام کے بدلے میں اس قبیلے کے آزاد کا خون لیتے تھے۔ دیگر سزائیں جو دی جاتی تھیں ان میں چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جاتا تھا۔ فعل بد کی سزا سنگساری تھی جو بعد میں تیں کوڑے اور منہ کالا کرنا رہ گئی تھی۔

۳۔ نکاح کا عام طریقہ ایجاب و قبول کا تھا جس میں مہر ادا کرنا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ دیگر قبیح صورتیں بھی رائج تھیں۔ عارضی نکاح یا متعہ کا بھی رواج تھا۔ تعدد ازدواج کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ لونڈیاں ان کے علاوہ تھیں جن کے وہ مالک تھے۔

بعض محرمات یعنی جن خواتین سے نکاح حرام تھا ان کے ساتھ نکاح کا رواج تھا۔ ایک دستور متوفی کی بیواؤں کی تقسیم کا تھا۔
جب کوئی شخص مرتا تو اس کے پیچھے جو بیوائیں ہوتیں، متوفی کا بیٹا یا کوئی دوسرا وارث اپنی حقیقی ماں کے علاوہ جس بیوہ پر چاہتا چادر ڈال دیتا جو اس بات کی نشاندہی ہوتی کہ ان بیواؤں کو اس نے اپنے تصرف کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ اگر اس عمل سے پیشتر کوئی بیوہ بھاگ کر رشتہ داروں میں چلی جاتی تو متوفی کے وارث اس کا مہر ادا کرنے سے انکار کر دیتے۔ ورثاء بیواؤں کو متوفی کے دیگر ترکہ کی طرح آپس میں تقسیم کرتے تھے۔ عورت کو خود نکاح کرنے کا حق حاصل نہیں تھا۔

۴۔ مرد کو طلاق دینے اور رجوع کرنے کا کلی اختیار تھا۔ وہ طلاق معلق کے ذریعہ عورت سے علیحدگی اختیار کر کے کسی دوسری عورت سے نکاح کا حق حاصل کر لیتا تھا۔ یوں تعلقاتِ ازدواج منقطع نہیں ہوتے تھے۔ لیکن عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کا حق نہیں رکھتی تھی۔ طلاق کی دوسری صورت ''ایلاء'' کے نام سے رائج تھی جس میں خاوند یہ قسم کھا لیتا تھا کہ وہ اپنی بیوی سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا۔ بعض کے نزدیک اس قسم سے فوراً تفریق ہو جاتی تھی اور بعض کے نزدیک یہ طلاق معلق تصور ہوتی تھی۔ ایک طریقہ ''ظہار'' کے نام سے موسوم تھا جو طلاق بائن کا اثر رکھتا تھا لیکن عورت کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنے آپ کو اس رشتہ ازدواج سے آزاد کروا سکے۔ البتہ اگر حق مہر ادا ہو چکا ہوتا تو عورت کے والدین اسے واپس کر کے یا اس سے دست برداری کر کے اس رشتہ کو ختم کروا سکتے تھے۔ یہ طریقہ ''خلع'' کہلاتا تھا۔ طلاق، ظہار، ایلاء اور خلع کے ذریعہ علیحدگی اختیار کرنے والی عورت کو عدت پوری کرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کی اجازت ہوتی تھی۔

۵۔ محرمات کا دائرہ بہت محدود تھا تاہم قرابت قریبہ کی بنا پر اہل عرب اپنی ماں، دادی، بہن، بیٹی اور پوتی سے نکاح نہیں کرتے تھے۔ اغلباً پھوپھی اور بھتیجی سے بھی نکاح نہیں کرتے تھے۔ مگر مجوسی مذہب رکھنے والے اپنی بہن اور بیٹی سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ اہل عرب میں ان دو صورتوں کے علاوہ سوتیلی والدہ، چچا زاد بہن اور سالی سے نکاح جائز تھا۔ دو بہنوں، بھتیجی اور پھوپھی کو بیک وقت نکاح میں رکھنا بھی جائز تھا۔

۶۔ مہر کا تعین عورت کے فائدے کے لیے کیا جاتا تھا جو معاہدہ نکاح کا ایک حصہ تھا۔ بعض اوقات عورت کا ولی رقم لے لیتا تھا۔

۷۔ باضابطہ نکاح سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب واضح ہوتا تھا مگر نکاح کی دیگر صورتوں میں بچے کی ماں کو حق حاصل تھا کہ وہ بچے کا نسب متعین کرے۔ وہ جس کے نام سے بچے کو منسوب کرتی اس شخص کو انکار کا حق نہیں ہوتا تھا۔

۸۔ عربوں میں متبنیٰ بنانے کا رواج تھا وہ تبنیت میں لینے والے کے خاندان میں شامل ہو جاتا تھا اور اسی کا نام اختیار کرتا تھا لیکن اس کی حیثیت وہی ہوتی تھی جو ایک غیر صحیح النسب بیٹے کی ہوتی تھی۔

۹۔ اہل عرب میں دختر کشی کا رواج تھا۔ عرب باپ جس قدر بیٹے کی پیدائش پر خوش ہوتا تھا اسی قدر بیٹی کی پیدائش پر ملول و مغموم ہوتا تھا۔ دیگر اسباب وعلل کے علاوہ اسے مصیبت اور عار سمجھتا تھا۔ معاشرہ میں عورتوں کی ذلیل حیثیت کے باعث

اکثر باپ بیٹی کو پیدا ہوتے ہی مار دیتے تھے۔

۱۰۔ منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی ملکیت کی مختلف صورتیں تھیں۔ مالک بذریعہ بیع یا ہبہ اپنے کل حقوق زندہ شخص کو منتقل کرنے کا مجاز تھا یا وہ بذریعہ عاریت یعنی قرض، رہن یا اجارہ یعنی اجرت پر جزوی یا محدود حقوق منتقل کرنے کا حق رکھتا تھا۔

۱۱۔ بیع کی بعض قبیح صورتیں رائج تھیں۔ جن میں سے بعض جوئے اور سٹے کی شکل میں تھیں۔ مال کا تبادلہ مختلف قسم کی بیوع سے ہوتا تھا۔ جیسے سلم(۳۷)، کا سودا کرنا۔ بیع بالخیار(۳۸)، مرابحہ(۳۹)، تولیہ(۴۰)، بیع ملامسہ(۴۱)، منابذہ(۴۲)، مزانبہ(۴۳)، محاقلہ(۴۴) بیع بالقاء الحجر(۴۵) وغیرہ۔

۱۲۔ زمین اجارہ یا پٹہ پر دی جاتی تھی۔ زمین کا کرایہ نقدی یا غلہ کی صورت میں حاصل کیا جاتا تھا۔ عرب پھل دار درختوں کو بھی ٹھیکہ پر دے دیا کرتے تھے۔

۱۳۔ قرض اور سود کا دستور تھا۔ مدینہ کے یہود جو سود لیتے تھے وہ ''ربوٰ'' کہلاتا تھا۔ اشیاء بطور قرض دینے کو ''عاریہ'' کہا جاتا تھا۔ اس معاہدہ میں عاریۃً لینے والا چیز کو استعمال کر کے اس سے مستفید ہونے کا حق رکھتا تھا مگر اس چیز کو صرف کرنے اور منتقل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تھا۔

۱۴۔ وصیت کا رواج تھا اور جائیداد وصیت کے ذریعہ بھی منتقل کی جاتی تھی۔ مالک کو پورا اختیار ہوتا تھا کہ وہ اپنی ساری جائیداد کسی غیر شخص کے نام منتقل کر دے جو خواہ مالدار ہے یا غریب۔ درآنحالیکہ اولاد، والدین اور دیگر اعزہ و اقارب مفلس و نادار ہی چھوڑ دیئے جائیں۔ وہ ورثا میں سے کسی ایک وارث کو ترجیح دے کر دوسروں کو محروم بھی رکھ سکتا تھا۔ لیکن

۳۷۔ بیع السلم : پیشگی قیمت دے کر ایک معلوم و متعین مدت تک چیز لینے کا معاملہ کرنا۔

۳۸۔ بیع بالخیار : سودے کو جاری رکھنے یا اسے فسخ کرنے کا اختیار۔

۳۹۔ مرابحہ : کسی چیز کو اس کی قیمت خرید اور ایک مقررہ نفع کے اضافہ کے ساتھ جو فروخت کنندہ اور خریدار دونوں کو معلوم ہو، فروخت کرنا۔

۴۰۔ تولیہ : کسی چیز کو اس کی پہلی قیمت خرید پر بغیر کسی زیادتی و اضافہ کے فروخت کرنا۔

۴۱۔ ملامسہ : کسی چیز کو محض چُھو کر بیع کرنا۔

۴۲۔ منابذہ : کپڑے کو بغیر دیکھے ایک دوسرے کی جانب پھینک کر سودا کرنا۔

۴۳۔ مزابنہ : درخت پر لگے پھل کو اسی جنس کے اتارے ہوئے خشک پھل کے عوض فروخت کرنا۔

۴۴۔ محاقلہ : کھڑی فصل کو غلہ کے عوض بیچنا۔

۴۵۔ بیع بالقاء الحجر : فروخت کنندہ کہتا کہ یہ کنکری پھینکو جس کپڑے پر جا لگے وہ اتنی قیمت کے عوض تمہارا۔

اس کے ساتھ یہ بھی طریقہ رائج تھا کہ متوفی کی منتقل کردہ جائیداد کو اس کی اولادِ نرینہ جو ہتھیار اٹھانے کے اہل ہو' میں منتقل کر دیا جائے نابالغ بچے اور عورتیں محروم رہتے تھے۔ الغرض وراثت کا تعین قرابت' تبنیت اور معاہدہ سے کیا جاتا تھا چنانچہ قرابت کے ضمن میں بیٹے' پوتے' باپ' دادا' بھائی' چچازاد بھائی' چچا اور بھتیجے وغیرہ شامل تھے۔ متبنیٰ کی حیثیت وہی تھی جو متوفی کے غیر صحیح النسب بیٹوں کی ہوتی تھی۔ معاہدہ کا طریقہ یہ تھا کہ دو عرب آپس میں یہ معاہدہ طے کرتے تھے کہ ان میں سے ایک کی وفات پر معاہدہ کا فریق ثانی اس کا وارث اور اس کے ترکہ میں سے معین حصہ کا حق دار ہوگا۔ لیکن تقسیمِ میراث کے حصے مقرر نہیں تھے۔ قبیلہ کا سردار متوفی کا ترکہ اس کے حقیقی یا مسلمہ ورثا میں تقسیم کرتا تھا۔ ماں' بیٹی اور بہن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ البتہ بیوہ کا مہر ترکہ میں شامل سمجھا جاتا تھا اور بعض قبائل میں بیوہ کسی قدر نان ونفقہ کی حقدار سمجھی جاتی تھی۔

انبیاء کرام علیہم السلام کسی قوم میں معاشرت ومعاملات وغیرہ کے جاری اصول وقوانین میں اصلاحی نقطہ نظر سے تبدیلی لاتے ہیں۔ آدابِ معاشرت' بود وباش' رہن سہن' لباس وآرائش' نکاح' بیع وشراء' لین دین کے قواعد' جرائم اور دیگر معاملات سے متعلقہ مسائل کے تصفیہ کے اصول وضوابط جو ان لوگوں میں رائج ہوتے ہیں اگر وہ مجموعی طور پر شریعت کی روح اور مقصد کے مطابق ہوتے ہیں تو انہیں باقی رہنے دیا جاتا ہے۔ بصورتِ دیگر دینی اور دنیاوی مصلحتوں کے پیشِ نظر ان میں تبدیلی یا انہیں بالکل ختم کر دیا جاتا ہے۔

یہاں یہ امر ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت نہ صرف اہلِ عرب کے لیے تھی بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ اس میں نہ صرف عرب کے معاشرتی وسماجی رجحان کی رعایت برتی گئی ہے بلکہ دیگر اقوامِ عالم کی نفسیات اور طبعی رجحان ومیلان کی بھی رعایت لازمی طور پر رکھی گئی ہے۔ غالباً اسی امر کے پیشِ نظر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ''یا ایھا الذین امنوا'' کی بجائے ''یا ایھا الناس'' کہہ کر بنی آدم کو مخاطب ہوتے ہیں تاکہ اس بات کی کلی طور پر وضاحت ہو جائے کہ یہ ضابطہ حیات تمام بنی آدم کے لیے ہے۔ محض ریگ زارِ عرب کے باسیوں کا لائحہ حیات نہیں ہے۔

استنباطِ احکام

اس عنوان کے تحت احکام معلوم کرنے کے بعض اسلوب پیشِ نظر ہیں۔ استنباط احکام پر تین مستقل درسی اکائیاں اس اختصاصی مطالعہ کا حصہ ہیں۔ لیکن زیرِ نظر اکائی میں چند اہم موضوعات کا تعارف کرایا جارہا ہے جن کے بارے میں جاننا اسی درسی اکائی کا حصہ ہے۔

مطلق اور مقیّد

مطلق وہ لفظ ہے جو کسی ایسی شے کے بارے میں بتائے جو اپنی جنس میں عام ہو۔ مطلق کسی ایک شے یا غیر متعین اشیاء کے بارے میں محض معلومات اس طرح دیتا ہے کہ ان میں سے کسی کا حصر (Limitation) ممکن نہ ہو۔ مثلاً جب لفظ سبزی استعمال کیا جائے تو اس میں تمام سبزیاں آجاتی ہیں کسی ایک سبزی پر قیاس کرنا درست نہیں ہوتا۔ مطلق اپنے معنی کے اعتبار سے قطعی ہوتا ہے۔

اس کے برعکس مقید میں قید یا شرط وغیرہ کا بیان ہوتا ہے۔ مقیّد مطلق کی ضد ہوتی ہے۔ یہ متعین شے کا بیان ہوتا ہے جیسے مذکورہ بالا مثال میں لفظ سبزی کے ساتھ کسی خاص موسم کی سبزی یا ایک خاص سبزی کو ہم مقید کہتے ہیں کیونکہ یہ مطلق کی تعریف سے نکل کر حدود و قیود کے دائرہ کی طرف جاتا ہے اور حصر ہی وہ وصف ہے جو مقیّد میں لازماً ملتا ہے۔

مشترک

مشترک وہ لفظ ہے جس میں بیان کردہ شے یا افراد اپنی تعریفات کے اعتبار سے مختلف ہوں یعنی ایک ہی لفظ کی ایک سے زائد تعریفات بھی ممکن ہوتی ہیں۔ الفاظ کے معانی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور معانی کے اس اختلاف کے باعث نت نئے تفسیری مباحث سامنے آتے ہیں۔ مثلاً وَالْـمُـطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ (البقرۃ ۲ :۲۲۸) میں قروء' قرء کی جمع ہے جس کے معنی بیک وقت حیض اور طہر دونوں ہیں۔ لغتِ عرب دونوں کی اجازت دیتی ہے۔ معانی کے اس اختلاف کی وجہ سے مسائل کے حل میں نقطہ نظر کا اختلاف پیدا ہوتا ہے جس سے قانون سازی میں لچک پیدا ہوتی ہے۔ مشترک کے مقابلہ میں مؤول ہوتا ہے۔ تفصیل اصولِ فقہ کی کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اوامر ونواہی

امر کی تعریف

علمائے لغت کے نزدیک امر کی تعریف کسی شخص کا دوسرے کو کہنا : اِفْـعَـلْ (تُو کر) جبکہ اصولیین کے نزدیک امر وہ لفظ ہے جس میں برتر اپنے ماتحت سے بغیر کف (رُکے) فعل طلب کرے۔

صیغہ امر کا استعمال

امر کبھی ''اِفْعَلْ'' کے صیغے میں، کبھی مضارع لام امر ''لِيَفْعَلْ'' یا ایسے خبریہ جملوں کے ساتھ جن کا مقصد حکم دینا یا مطالبہ کرنا ہو صرف خبر دینا نہ ہو، استعمال ہوتا ہے۔ امر کا صیغہ عربی زبان کی طرح قرآن مجید میں بھی طلب فعل کے لیے متعدد اسالیب میں استعمال ہوا ہے۔ چند اہم اسالیب ہیں:

۱۔وجوب : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (النساء ۴ : ۵۹)

اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

۲۔اباحت : وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (المائدۃ ۵ : ۲)

اور جب تم احرام اتار دو تو (تمھیں اختیار ہے کہ) شکار کرو

۳۔ندب : وَافعَلُوا الخَیرَ (الحج ۲۲ : ۷۷)

اور نیک کام کرو

۴۔ارشاد : یا اَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا کُلُوا مِن طَیِّبٰتِ (البقرۃ ۲ : ۱۷۲)

اے اہل ایمان! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ

۵۔تادیب : کل مما یلیك[۴۶]

اور اپنے سامنے سے کھاؤ

۶۔تہدید/وعید : اِعمَلُوا مَاشِئتُم (حم السجدۃ ۴۱ : ۴۰)

کر لو جو کچھ تم چاہو

۷۔تعجیز (عاجز کرنا) : فَاْتُوا بِسُورَۃٍ مِن مِثلِہٖ (البقرۃ ۲ : ۲۳)

تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنالاؤ

۸۔دعا : رَبِّ اغفِرلِی وَلِوَالِدَیَّ (نوح ۷۱ :۲۸)

پروردگار! میری اور میرے والدین کی مغفرت فرما

۹۔تعبیر : قَد عَلِمنَا مَافَرَضنَا عَلَیھِم فِیۤ اَزوَاجِھِم (الاحزاب۳۳ : ۵۰)

ہم نے ان کی بیویوں کے بارے میں ان پر جو مقرر کر دیا ہے ہمیں معلوم ہے

۱۰۔امتنان (احسان جتانا) : کُلُوا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ (المائدۃ ۵ : ۸۸)

اللہ تعالیٰ نے جو رزق تمھیں دیا ہے اس میں سے کھاؤ

۱۱۔اکرام : اُدخُلُوھَا بِسَلَامٍ (ق ۵۰ : ۳۴)

ان میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ

۱۲۔تسخیر : کُونُوا قِرَدَۃً (البقرۃ ۲ : ۶۵)

بندر بن جاؤ

۴۶۔ التوضیح : ۲۸۲/۱

۱۳۔ **اہانت** :ذُقْ اِنَّكَ اَنتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (الدخان ۴۴ : ۴۹)

مزا چکھ تُو بڑی عزت والا بزرگی والا ہے

۱۴۔**تسویہ(برابر کرنا)** :فَاصْبِرُوْا أَوْلَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ(الطور۵۲: ۱۶)

پس صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے

۱۵۔**تحقیر** : اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ (یونس ۱۰ : ۸۰)

جوتم (میدان میں) ڈالنا چاہتے ہو ڈالو

۱۶۔**تکوین** : كُنْ فَيَكُوْنُ (البقرۃ ۲ : ۱۱۷)

ہو جا' پس وہ ہو جاتا ہے

۱۷۔**خبر امر کے معنی ہیں** :یعنی خبر یہ جملوں کے ساتھ جبکہ خبر کے معنی حکم دینے یا مطالبہ کرنے کے ہوں صرف خبر دینے کے نہ ہوں جیسے :

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْٓءٍ(البقرۃ ۲ :۲۲۸)

اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں

۱۸۔**مضارع میں لام امر کے صیغہ کے ساتھ** : وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ(الحج ۲۲: ۲۹)

اور چاہیے کہ وہ اپنی نذریں پوری کریں

۱۹۔**مضارع میں لفظ ''خیر'' کے ساتھ** :

وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتَامٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ(البقرۃ۲:۲۲۰)

اور تم سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ ان کی اصلاح اچھا کام ہے۔

یہاں اتنا واضح کرنا مناسب ہوگا کہ ندب' تادیب اور ارشاد کے معانی ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں اور ان میں فرق یہ ہے کہ ندب میں آخرت کے ثواب کی امید' تادیب میں اخلاق کی تہذیب اور عادات کی اصلاح اور ارشاد میں مصلحت دنیوی کا سبب پایا جاتا ہے' اسی طرح بعض دیگر معانی میں بھی باہم قرابت پائی جاتی ہے مگر ان میں بھی فرق کی نوعیت قریب قریب ہے۔

نہی

نہی کی تعریف

نہی کے لغوی معنی روکنے کے ہیں عربی زبان میں عقل کو نہیہ کہا جاتا ہے۔اس لیے کہ وہ انسان کو ہر اس کام سے جو غلط ہو

اور درست نہ ہو، منع کرتی اور روکتی ہے۔ اہل لغت کے نزدیک نہی کی تعریف یہ ہے :

ایک شخص کا دوسرے کو کہنا : لَا تَفْعَلْ (تُو مت کر) ہے

جبکہ اصلاحی طور پر اس کا معنی یہ ہے :

ایک شخص کا خود کو برتر سمجھتے ہوئے دوسرے شخص کو کسی فعل سے ایسا صیغہ استعمال کر کے روکنا جو ممانعت کو بتاتا ہو۔

نہی کا تقاضا

مکلّف کو جس کام سے روکا گیا ہو، اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کا ارتکاب کرے۔ اگر ایسا کرے گا تو وہ گناہگار ہوگا۔

نہی کے صیغے

۱۔ نہی کے صیغوں میں معروف صیغہ لَا تَفْعَلْ (مت کرو) ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا (بنی اسرائیل ۱۷ : ۳۲)

اور تم زنا کے قریب نہ جاؤ

۲۔ حلال اور جائز چیز کی نفی کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً :

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ (البقرۃ ۲ : ۲۳۰)

پھر اگر اس نے اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس کو حلال نہیں جب تک وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے

۳۔ ایسے لفظ سے تعبیر کرنا جو نہی اور تحریم کو بتائے جیسے :

وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (النحل ۱۶ : ۹۰)

اور وہ منع کرتا ہے کھلی بے حیائی، منکر اور سرکشی سے

۴۔ کبھی نہی امر کے صیغہ میں مستعمل ہوتی ہے لیکن امر کا یہ صیغہ ممانعت کو بتاتا ہے جیسے :

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ (الانعام ۶ : ۱۲۰)

اور تم ظاہر اور پوشیدہ گناہ چھوڑ دو

نہی کے صیغے کا استعمال

قرآن مجید میں نہی کا صیغہ متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً :

۱۔ **حرمت** :وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الانعام ۶ : ۱۵۱)

اور کسی جان کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے، قتل نہ کرنا

۲۔کراہت : يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ (المائدۃ ۵ : ۸۷)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو

۳۔دعا : رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا (آل عمران ۳ : ۸)

اے ہمارے پروردگار جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر

۴۔ارشاد : لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (المائدۃ ۵ : ۱۰۱)

اے لوگو جو ایمان لائے، ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ
اگر (ان کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں

۵۔تادیب : وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (المدثر ۷۴ : ۶)

اور (اس نیت سے) احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو

۶۔بیان عاقبت: وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (ابراہیم ۱۴: ۴۲)

اور مت خیال کرنا کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں اللہ ان سے بے خبر ہے

۷۔مایوسی : لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ (التحریم ۶۶ : ۷)

آج بہانے مت بناؤ

۸۔تسویہ : فَاصْبِرُوْا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ (الطور ۵۲: ۱۶)

پس صبر کرو یا نہ کرو، تمہارے لیے یکساں ہے

۹۔تحقیر : لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (الحجر ۱۵ : ۸۸)

اور ہم نے کفار کی کئی جماعتوں کو جو (فوائد دنیاوی سے) متمتع کیا ہے تم ان کی طرف (رغبت سے) آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا

۱۰۔وعید، تہدید : وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبۃ ۹ : ۳۴)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو عذاب الیم کی خبر سنادو۔

۱۱۔تنبیہ : وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (المطففین ۸۳ : ۱)

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے

۱۲۔ تعبیر : صیغہ جو نہی اور تحریم کو بتائے جیسے :

وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (النحل ۱۶ : ۹۰)

(اور اللہ تم کو) بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے

۱۳۔ حلال اور جائز کی صراحت کے لیے : یعنی یہ بتانا کہ یہ فعل حلال ہے یا نہیں جائز ہے یا نہیں جیسے :

لَا يُحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا (النساء ۴ : ۱۹)

تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ

۱۴۔ فعل کی نفی کے لیے : فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (البقرۃ ۲ : ۱۹۳)

پس ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے)

۱۵۔ گناہ کے مقابلہ میں اسے سبب بنانا :

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ (البقرۃ ۲ : ۱۸۱)

جو شخص وصیت کو سننے کے بعد بدل ڈالے تو اس (کے بدلنے) کا گناہ انہیں لوگوں پر ہے جو اس کو بدلیں

اہم نکات

۱۔ قرآن مجید شریعتِ اسلامی کا اساسی مأخذ و مصدر ہے۔

۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو بذریعہ وحی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل ہوا، جو ہم تک تواتر سے پہنچا اور جس کا پڑھنا باعثِ ثواب ہے۔ قرآن مجید لفظاً و معناً من جانب اللہ تعالیٰ ہے۔

۳۔ قرآن مجید ہر لحاظ سے معجزۂ الٰہی ہے۔ دنیا کے تمام انسان اور جن اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

۴۔ یہ ہر قسم کی کمی بیشی سے بالاتر ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے۔

۵۔ قرآن مجید کے احکام تین حصوں میں منقسم ہیں:

۱۔ عقائد سے متعلق احکام

۲۔ اخلاقیات کے بارے میں احکام

۳۔ مکلفین کے اقوال و افعال سے متعلق عملی احکام

ان عملی احکام کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ عبادات ۲۔ معاملات

۶۔ قرآنی احکام کی نوعیت تین طرح سے ہے۔

۱۔ وہ اصولی احکام جن کے تحت ایسے اصول آتے ہیں جو قیامت تک دستورِ عمل ہیں اور قانون سازی کی بنیاد ہیں۔

۲۔ وہ اجمالی احکام جنہیں اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔ان کی تفصیل سنتِ نبوی سے ملتی ہے۔

۳۔ وہ تفصیلی احکام ہیں جن کی تفصیلات اور جزئیات موجود ہیں۔ان میں اجتہاد کی بہت کم گنجائش ہے۔

۷۔ قرآن کے بعض احکام کی دلالت قطعی ہے۔جن کے الفاظ کا صرف ایک ہی معنی ہوتا ہے اور وہی معنی مراد ہوتا ہے۔بعض احکام کی دلالت ظنی ہے۔جہاں کسی لفظ میں ایک سے زائد معانی کا احتمال ہوتا ہے۔ایسے احکام میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے۔

۸۔ اوامر ونواہی کے نفاذ میں قرآن مجید نے جو اصول پیش نظر رکھے ہیں ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عدم حرج یعنی تنگی و دشواری دور کرنا۔ ۲۔ تیسیر یعنی آسانی پیدا کرنا۔

۳۔ تدریج یعنی کوئی حکم یکبارگی نہیں بلکہ بتدریج نافذ کرنا۔

۴۔ بدلتے ہوئے معاشرتی حالات میں انسانی مصالح کا لحاظ کرنا۔

۵۔ قرآن مجید میں انسانوں کی نفسیات اور طبعی رجحان ومیلان کی رعایت بھی رکھی گئی ہے۔

کتب برائے مزید مطالعہ

۱۔ جامع الاصول اردو ترجمہ از ڈاکٹر احمد حسن۔الوجیز فی اصول الفقہ از ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، مطبع مجتبائی، لاہور

۲۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر از محمد تقی امینی، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور

مصادر ومراجع

۱۔ قرآن مجید

۲۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری

۳۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم

۴۔ النسائی، احمد بن شعیب، سنن نسائی

۵۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ

۶۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی

۷۔ الآمدی، سیف الدین ابوالحسن علی، الاحکام فی اصول الاحکام، مطبعۃ محمد علی صبیح، مصر ۱۳۴۷ھ

۸۔ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعۃ، المطبعۃ الرحمانیۃ، قاہرۃ

۹۔ صدر الشریعۃ، عبیداللہ المحبوبی، التنقیح والتوضیح، مطبوعۃ محمد علی الصبیح، مصر ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء

۱۰۔ الشوکانی، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء
۱۱۔ ابن السبکی، عبدالوہاب تاج الدین، جمع الجوامع، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء
۱۲۔ قاضی محب اللہ بہاری، مسلّم الثبوت، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۹ء
۱۳۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، المصطفیٰ فی احادیث الموطا، رحیمیہ دہلی
۱۴۔ دہلوی، مکتوبات کلمات طیبات، مطبوعہ مجتبائی ۱۸۹۱ء
۱۵۔ دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، مطبع علمی لاہور
۱۶۔ دہلوی، حجۃ اللہ البالغۃ، الطباعۃ المیزیہ، مصر ۱۳۵۲ھ
۱۷۔ ابن الھمام، کمال الدین محمد، التحریر فی اصول الفقہ، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۳۵۱ھ
۱۸۔ التفتازانی، سعد الدین مسعود، التلویح علی التوضیح، مطبعۃ محمد علی الصبیح، مصر ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء
۱۹۔ عبدالعزیز البخاری، کشف الاسرار شرح بزدوی، مطبوعہ مصر
۲۰۔ البزدوی، فخر الاسلام علی بن محمد، اصول بزدوی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۲۱۔ الغزالی، محمد بن محمد، المستصفی من علم الاصول، المطبعۃ المیزیۃ بولاق مصر ۱۳۲۵ھ
۲۲۔ ابن القیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء
۲۳۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، الاتقان فی علوم القرآن، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء
۲۴۔ الجصاص، ابوبکر احمد رازی، احکام القرآن، مطبعۃ البھیۃ المصریۃ ۱۳۴۷ھ
۲۵۔ ابوعمر ابن حاجب، مختصر منہاج الاصول، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، بولاق مصر ۱۳۱۶ھ
۲۶۔ ابواسحاق الشیرازی، اللمع فی اصول الفقہ، مصر ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء
۲۷۔ النسفی، ابوالبرکات عبداللہ، المنار، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، بولاق مصر ۱۳۱۶ھ
۲۸۔ الشریف الجرجانی، کتاب التعریفات، تہران
۲۹۔ السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد، اصول السرخسی، دار المعارف العثمانیہ، المکتبۃ المدینہ، اردو بازار لاہور
۳۰۔ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، فتح الغفار شرح المنار، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء
۳۱۔ محمد حنیف ندوی، مطالعہ قرآن، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۸ء
۳۲۔ القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، انتشارات ناصر خسرو، تہران، ایران
۳۳۔ السمرقندی، نصر بن محمد بن احمد، تفسیر السمرقندی المسمی بحر العلوم مکتبۃ دار الباز بیروت لبنان ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء
۳۴۔ الشافعی، محمد بن ادریس، الرسالہ (تحقیق وشرح احمد محمد شاکر) دار الفکر
۳۵۔ Dr. Ahmad Hasan, The Early Development of Islamic Jurisprudence, Islamic Research Institute, Islamic University, Islamabad, 1982.